تفقہ فی الدین کی روایت کا علم بردار

ماہنامہ

مفاہیم

کراچی

جون ۲۰۲۱ء

جلد ۱

فقہ اکیڈمی کا ترجمان

شمارہ ۸

لیتفقہوا فی الدین

فقہ اکیڈمی

لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ

ز اجتہادِ عالمانِ کم نظر
اقتدا بر رفتگان محفوظ تر

اقبال

مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ

ماہ نامہ

مفاہیم

کراچی

فقہ اکیڈمی کا ترجمان | تفقّہ فی الدّین کی روایت کا علم بردار

سرپرستِ اعلیٰ

حضرت مولانا مفتی نذیر احمد ہاشمی صاحب مدظلہ

مدیر

صوفی جمیل الرحمٰن عباسی

نائب مدیر

حافظ حماد احمد ترک

مجلسِ مشاورت

- حافظ محمد موسیٰ بھٹو صاحب
- ڈاکٹر محمد رشید ارشد
- مفتی اویس پاشا قرنی
- مولانا معراج محمد
- حافظ سید اسامہ علی
- استاذ ابرار حسین
- استاذ عابد علی بھٹی

فقہ اکیڈمی

C-335، بلاک-1، گلستان جوہر، بالمقابل جامعہ کراچی، یونیورسٹی روڈ، کراچی، پاکستان۔ 3474 3662 21 92 + | 3474 3661 21 92 +

FIQHACADEMY.COM.PK FIQHACADEMY FIQHACADEMYPK +92 330 3474223

مضامین

اداریہ	چراغ جلتا رہے گا	مدیر	۴
درسِ قرآن	سورۂ بنی اسرائیل: آیات ۱ تا ۸	مولانا محمد اقبال	۱۰
درسِ حدیث	بیت المقدس میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کا وعظ	ابنِ عباس	۱۴
مقالات	دینی مزاج کی فکر کے لیے اسلامی ہوسٹل کا قیام	محمد قمر الزماں ندوی	۱۶
مقالات	اسلام کے تین بنیادی ادارے	مفتی اویس پاشا قرنی	۱۹
مقالات	بار بار حج کرنے والوں کے نام	محمد ایاز	۳۱
مقالات	بیت المقدس کا تاریخی خاکہ (۱)	صوفی جمیل الرحمن عباسی	۳۴
منتخبات	آدابِ قربانی	مفتی اویس پاشا قرنی	۴۳
نعت	کچھ نہیں مانگتا شاہوں سے یہ شیدا تیرا	احمد ندیم قاسمی	۴۵

اداریہ

چراغ جلتا رہے گا

دنیا کی زندگی کے بھی ظاہر کو دیکھنے والے ، شام اور بیت المقدس کو خاک و خوں میں غلطاں دیکھ رہے ہیں ۔ عمارتیں هباءاًمنثوراً ہو رہی ہیں ۔ بچے یتیم اور سہاگنیں بیوہ ہوتی جا رہی ہیں ، سجیلے جوانوں کو آتشِ شیطان چاٹے جا رہی ہے ۔ شہر کے شہر برباد ہوئے جاتے ہیں ۔ لیکن جاننے والے ، اس بربادی کو آبادی جانتے ہیں:

در و دیوار کی ویرانی پہ نہ جا   پس دیوار ہے گلزار کھلا

نمارِدَہ وقت کے تمرُّد کی کہانی کہتی آتشِ سوزناک میں اولادِ ابراہیم پھول کھلائے جا رہی ہے ۔ ''اپنی پوری اور بھرپور'' بے سروسانی لیکن جانفشانی اور سرشاری کے عالم میں ، جَوااں خون کے ساتھ صبر کی داستانیں رقم کیے جا رہے ہیں ۔ تو ایسا ہے کہ وہ جیت رہے ہیں ۔ یہ آگ ان کے لیے باغ ابراہیم بننے والی ہے اور آگ برسا کر تماشا کرنے والے آگ میں جانے والے ہیں:

گلِستاں کُنند آتشے بر خلیل   گروہے باَتش بُرَد زابِ نیل

وہ ذات جو خلیل علیہ السلام پر دہکائی جانے والی آگ کو گلستاں کرتی ہے اور جو ، نیل کے پانیوں سے دشمنانِ کلیم علیہ السلام کو آگ میں پہنچا دیتی ہے ، اس کی قدرتوں کے سامنے یہ کون سا مشکل ہے ۔ 'اور تم اپنے رب کی کون کون سی قدرتوں کو جھٹلاؤ گے ' اور یہ کیوں کر نہ ہو کہ اس دھرتی کو محبوب رب دوجہاں ﷺ کی دعا نے حِصار میں لیا ہوا ہے : ((اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي شَامِنَا)) (صحیح بخاری) ''اے اللہ ہمارے لیے ہمارے شام میں برکت عطا فرما'' اس دعاے مبارکہ میں (شَامِنَا) ''ہمارا شام'' کے الفاظ خاص ہیں کہ وہ شام جو کبھی آلِ اسحق و یعقوب علیہم السلام یعنی بنی اسرائیل کا تھا ، ان کے کفر کی پاداش میں اُن سے چھن کر ہمارا ہو گیا ہے ۔ اس کی برکتوں کے امین اب صرف پیروکارانِ رسول قرشی و مکی ﷺ ہیں ۔ تو آتش و آہن کی بارش کے باوجود ، ارض مقدس کی برکتیں اور رحمتیں دائم ہیں کہ وہ اینٹ گارے کی عمارتوں کی محتاج نہیں ہیں ۔ قُدسیوں کے فرامین میں ارض مقدس کی برکتوں کا بیان بہت ہے سو تبرک کے لیے ان میں سے کچھ پیش کرتے ہیں: سیدنا عبداللہ

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:((إِنَّ الْخَيْرَ قُسِّمَ عَشَرَةَ أَعْشَارٍ فَتِسْعَةٌ بِالشَّام وَعَشْرٌ بِهَذِهِ وَإِنَّ الشَّرَّ قُسِّمَ عَشَرَةَ أَعْشَارٍ فَتِسْعَةٌ بِهَذِهِ وَعَشْرٌ بِالشَّامِ))(فضائل الصحابہ، امام احمد بن حنبل)"بے شک خیر کو دس حصوں میں تقسیم کیا گیا پھر نو حصے تو شام میں رکھے گئے اور ایک دسواں حصہ ادھر باقی زمین میں رکھا گیا اور شر کے بھی دس حصے کیے گئے اس کے نو حصے تو اِدھر اُدھر ہیں اور شام میں صرف ایک دسواں حصہ رکھا گیا"، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر، مختلف پارچہ جات میں قرآن کی ترتیب و تالیف میں مصروف تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین بار فرمایا ((طُوبَى لِلشَّامِ))صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا((لأَنَّ مَلائِكَةَ الرَّحْمَنِ بَاسِطَةٌ أَجْنِحَتَهَا عَلَيْهَا))(مسند احمد)"اس لیے کہ رحمن کے فرشتے اس پر اپنے پروں کو پھیلائے رہتے ہیں"۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:((إِنِّي رَأَيْتُ كَأَنَّ عَمُودَ الْكِتَابِ انْتُزِعَ مِنْ تَحْتِ وِسَادَتِي فَأَتْبَعْتُهُ بَصَرِي فَإِذَا هُوَ نُورٌ سَاطِعٌ عُمِدَ بِهِ إِلَى الشَّامِ أَلَا وَإِنَّ الْإِيمَانَ إِذَا وَقَعَتِ الْفِتَنُ بِالشَّامِ))(معجم الکبیر للطبرانی)"میں (عالم رویا) دیکھتا ہوں کہ ایک کتاب کا سرا میرے تکیے کے نیچے سے کھینچ لیا گیا تو میں اس کے پیچھے نظر دوڑاتا ہوں تو وہ ایک پھیلا ہوا نور تھا جو شام پر چھا گیا تھا۔ آگاہ ہو جاؤ جب فتنے برپا ہوں گے تو ایمان شام میں ہوگا"۔ تو فتنے برپا ہیں اور ایمان شام میں ہے، شہیدوں کا خون ہے اور آگ ہے اور دھواں ہے کیوں کہ وہاں ایمان ہے اور جہاں ایمان ہے وہاں آزمائش ہے۔ تو جب ایمان شام میں پایا گیا تو لازم ہوا کہ کامل الایمان ہستیاں بھی وہیں پائی جائیں تو اس سے بڑی برکت کیا ہوگی کہ قاطع صلیب و دجال سیدنا عیسی روح اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کا نزولِ سعید بھی اسی بقعہ مبارکہ میں ہوگا: ((يَنْزِلُ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَاءِ شَرْقِيَّ دِمَشْقَ))(معجم الکبیر للطبرانی) "سیدنا عیسی علیہ السلام دمشق کے شرقی حصے میں ایک سفید رنگ کے منارے پر نزول فرمائیں گے"۔ مِس خام آزمائشوں کی بھٹیوں سے گزر کر ہی کندن بنتا ہے تو شام والوں میں ابدال کا پایا جانا بھی ان کی آزمائشوں میں ثابت قدمی کی بدولت ہی ہے۔ رسولِ پاک ﷺ نے اس کی خبر دیتے ہوئے فرمایا:((اَلْبُدَلَاءُ بِالشَّامِ وَهُمْ أَرْبَعُونَ رَجُلًا كُلَّمَا مَاتَ رَجُلٌ أَبْدَلَ اللَّهُ مَكَانَهُ رَجُلًا يُسْتَقَى بِهِمُ الْغَيْثُ وَيُنْتَصَرُ بِهِمْ عَلَى الْأَعْدَاءِ وَيُصْرَفُ عَنْ أَهْلِ الشَّامِ بِهِمُ الْعَذَابُ))(مسند

احمد)"ابدال شام میں ہیں اور وہ (عموماً) چالیس افراد ہوتے ہیں اور جب ان میں سے کوئی ایک فوت ہوجاتا ہے تو اللہ اس کی جگہ دوسرے کو لے آتا ہے انھی (کی برکت، دعا یا وسیلے) سے بارشیں دی جاتی ہیں انھی کے سبب دشمنوں پر مدد دی جائے گی اور انھی کے ذریعے اہل شام سے عذاب دور کیا جاتا ہے"۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ لوگوں کو منع کرتے ہوئے فرماتے ہیں:((لَا تَسُبُّوا أَهْلَ الشَّامِ وَسَبُّوا ظَلَمَتَهُمْ فَإِنَّ فِيهِمُ الْأَبْدَالُ))(مستدرک حاکم)"اہلِ شام کو برا بھلا مت کہو البتہ ان کے ظالموں کو برا بھلا کہہ سکتے ہو کیونکہ ان میں ابدال موجود ہوتے ہیں"۔ ایسا نہیں ہے کہ صرف قُرونِ اولیٰ ہی میں ابدال پائے جاتے ہوں بلکہ آخری دور میں بھی ان کا ذکر ملتا ہے۔ امام مہدی کی بیعت کے حوالے سے ابدالِ شام کا ذکر ملتا ہے۔ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:((أَتَاهُ أَبْدَالُ الشَّامِ وَعَصَائِبُ أَهْلِ الْعِرَاقِ فَيُبَايِعُونَهُ))(مسند احمد)" ان کے پاس شام کے ابدال اور عراق کے نیک لوگ آئیں گے جو امام مہدی کے ہاتھ پر بیعت کریں گے"۔ یہ بیعت تو ظاہر ہے مکہ شریف میں ہوگی لیکن بعد میں کسی مرحلے پر امام مہدی شام میں بھی تشریف فرما ہوں گے دمشق میں نزولِ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی روایت ہم پڑھ چکے جبکہ ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزول کے تھوڑی ہی دیر بعد نماز کا وقت ہوجائے گا چنانچہ امام مہدی، سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے درخواست کریں گے کہ آپ نماز پڑھائیں تو وہ فرمائیں گے:((لِيَتَقَدَّمْ إِمَامُكُمْ فَلْيُصَلِّ بِكُمْ))(مسند احمد)"چاہیے کہ تمھارا امام آگے بڑھ کر نماز پڑھائے" تو اس روایت سے معلوم ہوا کہ فتنوں کے دور میں ایمانی حیثیت سے اس وقت کی دوسری بڑی شخصیت بھی شام میں جلوہ افروز ہوگی۔ سیدنا عیسیٰ اور امام مہدی جیسی پاک طینت ہستیوں کی بیت المقدس میں موجودگی اس خطے کی برکت پر شاہد تو ہے ہی لیکن قدس کی برکت کا ایک سلبی پہلو یہ بھی ہے کہ اسے دجالِ منحوس کے قدم سے بھی بچایا جائے گا۔ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اس کی خبر دیتے ہوئے فرمایا:((يَخْرُجُ فَيَكُونُ فِي الْأَرْضِ أَرْبَعِينَ صَبَاحًا يَرِدُ مِنْهَا كُلَّ مَنْهَلٍ إِلَّا الْكَعْبَةَ وَبَيْتَ الْمَقْدِسِ وَالْمَدِينَةَ))(فضائل بیت المقدس ضیاء الدین المقدسی)"دجال نکلے گا اور وہ زمین میں چالیس دن قیام کرے گا اور دنیا کے ہر کونے میں جائے گا سوائے یہ کہ وہ کعبہ، بیت المقدس اور مدینہ میں داخل نہ ہو سکے گا" دوسری روایت میں ایک چوتھے مقام کا ذکر بھی ہے:((لَا يَأْتِي أَرْبَعَةَ مَسَاجِدَ: الْكَعْبَةَ وَمَسْجِدَ الرَّسُولِ ﷺ وَالْمَسْجِدَ الْأَقْصَى وَالطُّورَ))

(مسند احمد) ” وہ چار مساجد میں نہیں آسکے گا کعبہ، مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ اور مسجد طور میں “۔ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیت المقدس تک پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لے گا((یَخْرُجُ حَتَّی یُحَاصِرَهُمْ))(فضائل بیت المقدس ضیاء الدین المقدسی) لیکن اندر داخل ہونے کی حسرت اس کی پوری نہیں ہوگی کہ عیسی علیہ السلام کو دیکھ کر فرار ہو گا لیکن بیت المقدس سے تقریبا ۳۶ کلو میٹر دور مقام لد(Lod) پر ہی واصل جہنم کیا جائے گا۔ کانا دجال تو ابھی نہیں آیا لیکن اس کے پیروکار، ارض مقدس پر چرھائی کیے ہوئے ہیں۔ لیکن جس طرح دجال یہاں داخل نہ ہو گا اسی سے نیک فال لیتے ہوئے ہم امید کرتے ہیں کہ خداوندِ قدوس، بیت المقدس کو ان پیروکاران کے وجود منحوس سے پاک ہی رکھے گا۔ اگرچہ کئی سالوں سے شام پر، شام غم چھائی ہوئی ہے۔ لیکن یہ بھی بھلا کوئی پریشانی کی بات ہے ”گرتے ہیں شاہ سوار ہی میدان جنگ میں“ پر غور کریں تو بات صاف ہو جاتی ہے۔ ہر شہر کے مقدر میں کہاں ’ نازِ شہیداں ‘ ہر بستی کو رزم گاہ حق و باطل بننا کہاں نصیب، بابرکت شہروں ہی کی یہ شان ہے کہ عاشقان پاک طینت کے سینوں کے ابلتے خون کو اپنے سینے میں جگہ دے۔ مقدسی جوانوں کی قربانیاں بتاتی ہیں کہ وہ ایک زندہ قوم ہیں:

جن کے سلامت پَر ہوتے ہیں   خون میں اکثر تر ہوتے ہیں

زبان رسالت سے بھی ان سرفروشون کی تعریف وارد ہوئی ہے:((إِذَا وَقَعَتِ الْمَلَاحِمُ بَعَثَ اللهُ بَعْثًا مِنَ الْمَوَالِي [مِنْ دِمَشْقَ] هُمْ أَكْرَمُ الْعَرَبِ فَرَسًا وَأَجْوَدُهُ سِلَاحًا يُؤَيِّدُ اللهُ بِهِمُ الدِّينَ))(ابن ماجہ)”جب جنگیں واقع ہوں گی اللہ تعالی دمشق کے مضافات سے ایک لشکر اٹھائے گا وہ اہل عرب میں سے بہترین لوگ ہوں گے اور ہتھیاروں کے اعتبار سے بھی وہ مسلح ہوں گے اللہ ان کے ذریعے دین کی تائید و نصرت کرے گا“ حقیقت کا علم تو اللہ تعالی ہی کو ہے کہ غلیل، ڈنڈے اور پتھروں سے مقابلہ کرنے والے جان نثاروں کے ہاتھ میں ہتھیار کب اور کیسے آئیں گے اور ان کی نوعیت کیا ہوگی کیا وہ جدید ہوں گے یا قدیم لیکن بہر حال اتنا تو بلا تکلف معلوم ہوتا ہے کہ وقت کبھی پلٹا ضرور کھائے گا۔ بعض روایتوں میں ان بابرکت لوگوں کی جگھوں کی تعریف کی گئی ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا:((سَتكُون هجرةٌ بَعْدَ هجْرَة، فَخِيَار أهْل الأَرض أَلْزَمُهُم مُهَاجَرَ إِبراهيمَ))(ابوداود)” عنقریب ہجرت کے بعد ایک اور ہجرت ہوگی پس ہجرت کی بہترین جگہ وہ ہے جہاں ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت ہوئی تھی“ سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:((يَوْمَ الْمَلْحَمَةِ الْكُبْرَى فُسْطَاطُ الْمُسْلِمِينَ، بِأَرْضٍ يُقَالُ لَهَا الْغُوطَةُ، فِيهَا مَدِينَةٌ يُقَالُ لَهَا دِمَشْقُ،خَيْرُ مَنَازِلِ الْمُسْلِمِينَ يَوْمَئِذٍ))(مستدرک حاکم) ''ملحمۃ الکبری (بڑی اور خونریز جنگ) کے دنوں میں مسلمانوں کا پڑاو (کیمپ) غُوطہ نامی علاقے میں ہو گا اسی خطے میں دمشق نامی شہر بھی ہو گا جو ان دنوں مسلمانوں کے بہترین مقامات میں سے ہو گا''۔ یہ ساری فضیلتیں اور برکتیں ابھی جگہ لیکن انسان اپنی بشریت کی بنا پر دنیاوی نتیجے سے بے پرواہی نہیں کر سکتا چاہے تو بہتا ہوا خونِ قدس اِن کی کامرانی کی کہانی سنا رہا ہے:

ظلم پھر ظلم ہے بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے　　　خون پھر خون ہے ٹپکے گا تو جم جائے گا

اب ہم فرامینِ مقدس کی طرف آتے ہیں تو سب سے پہلے سیدنا عبد اللہ بن حوالہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:((سَتُجَنَّدُونَ أَجْنَادًا جُنْدًا بِالشَّامِ وَجُنْدًا بِالْعِرَاقِ وَجُنْدًا بِالْيَمَنِ))''عنقریب تمھاری کئی فوجیں بن جائیں گی ایک فوج شام میں ہوگی ایک فوج عراق میں اور ایک فوج یمن میں ہوگی'' انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے لیے آپ ہی پسند فرما دیں، فرمایا:((عَلَيْكُمْ بِالشَّامِ(فَإِنَّهُ خِيرَةُ الْمُسْلِمِينَ وَصَفْوَةُ اللهِ مِنْ بِلَادِهِ يَجْتَبِي إِلَيْهَا صَفْوَتَهُ مِنْ خَلْقِهِ) فَمَنْ أَبَى فَلْيَلْحَقْ بِيَمَنِهِ وَلْيَسْقِ مِنْ غُدُرِهِ فَإِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ تَكَفَّلَ لِي بِالشَّامِ وَأَهْلِهِ))(مستدرک حاکم)''شام کو پکڑ لو کیونکہ وہ مسلمانوں کے لیے اللہ کے پسندیدہ اور چنیدہ شہروں میں سے ہے۔ اللہ اس شہر کے لیے اپنی مخلوق میں سے خاص لوگوں کو چنے گا پس جو کوئی اس شہر کو آئے تو وہ اس کے داہنے طرف کو اختیار کرے اور اس کے کنوؤں سے پیے، پس اللہ نے میرے لیے شام اور اہلِ شام کی ذمے داری اٹھائی ہے''۔ راوی حدیث فرماتے ہیں: اللہ جس کا ذمہ اٹھالے اسے کوئی ضائع نہیں کر سکتا!!

اللہ تعالی کی کفالتِ اہلِ شام دو اعتبار سے ہے اور ایک اعتبار سے نہیں ہے۔ کفالت ہے ان کے حق پر قائم و دائم رہنے کی اور ان کے کامیاب ہونے کی چاہے جلد ہو یا بہ دیر اور اللہ نے کفالت نہیں کی دنیاوی آزمائشوں کے واقع ہونے کی سیدنا ابوامامہ رضی اللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:((لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي عَلَى الدِّينِ ظَاهِرِينَ لِعَدُوِّهِمْ قَاهِرِينَ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ إِلَّا مَا أَصَابَهُمْ مِنْ لَأْوَاءَ حَتَّى يَأْتِيَهُمْ أَمْرُ اللهِ وَهُمْ كَذَلِكَ))'' میری

امت کا ایک گروہ ہمیشہ دین پر قائم و دائم رہے گا اور اپنے دشمن سے مغلوب نہ ہو گا۔ کسی کی مخالفت انھیں نقصان نہ پہنچا سکے گی سوائے دنیاوی مشکلات اور معاشی سختی کے ۔ یہاں تک کہ اللہ کا امر آجائے گا جبکہ وہ اسی حال پر ہوں گے"، پوچھا گیا: یارسول اللہ! وہ کہاں پائے جائیں گے فرمایا((بِبَيْتِ الْمَقْدِسِ وَأَكْنَافِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ))(مجمع الزوائد و منبع الفوائد)" بیت المقدس میں اور اطراف بیت المقدس میں "اس طرح کی ایک دوسری روایت، سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی گئی ہے جس کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا:((لَا تَزَالُ عِصَابَةٌ مِنْ أُمَّتِي يُقَاتِلُونَ عَلَى أَبْوَابِ دِمَشْقَ وَمَا حَوْلَهُ وَعَلَى أَبْوَابِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ وَمَا حَوْلَهُ لَا يَضُرُّهُمْ خِذْلَانُ مَنْ خَذَلَهُمْ ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ إِلَى أَنْ تَقُومَ السَّاعَةُ))(مجمع الزوائد و منبع الفوائد)"میری امت کا ایک گروہ دمشق کے دروازوں اور اس کے آس پاس ڈٹا رہے گا اور اسی طرح ایک گروہ بیت المقدس اور اسے دروازوں کے آس پاس بھی ڈٹا رہے گا کسی بے وفا کی بے وفائی انھیں نقصان نہیں دے سکے گی اور قیام قیامت تک وہ حق پر قائم رہیں گے"۔ ایک بار نبی کریم ﷺ نے بیت المقدس میں آکر وہاں نماز پڑھنے کی ترغیب دلائی تو فرمایا:((ائْتُوهُ فَصَلُّوا فِيهِ فَإِنَّ صَلاَةً فِيهِ كَأَلْفِ صَلاَةٍ فِي غَيْرِهِ))صحابیہ نے عرض کیا:((إِنْ لَمْ أَسْتَطِعْ أَنْ أَتَحَمَّلَ إِلَيْهِ))فرمایا:((فَتُهْدِي لَهُ زَيْتًا يُسْرَجُ فِيهِ فَمَنْ فَعَلَ ذَلِكَ فَهُوَ كَمَنْ أَتَاهُ))(ابن ماجہ)" پھر وہاں کی مسجد کے لیے کچھ تیل ہی بطور ہدیہ بھیج دینا جس سے وہاں چراغ جلے جو بھی ایسا کرلے گا گویا وہاں پہنچ گیا"ضروری نہیں کہ تیل صرف چراغ جلانے ہی میں استعمال ہو۔ آج کل تیل، چولھے اور گاڑی سے بکتر بند گاڑی تک بہت کچھ چلا سکتا ہے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ صرف تیل ہی بھیجا جائے اور اس کی قیمت نہ بھیجی جاسکے، تو جس طرح پرانی بوڑھیاں درگاہ پہ جانے والی کسی ہمجولی کو پلو سے بندھے سکے کھول دیا کرتی تھیں کہ بہن میری طرف سے چراغوں میں تیل ڈال دینا تو اردگرد دیکھیں شاید آپ کو، کوئی ایسے بھائی مل جائیں جو آپ کی طرف سے بیت المقدس کے چراغوں میں تیل پہنچا سکیں:

شکوۂ ظلمت شب سے تو کہیں بہتر تھا　　　اپنے حصے کی کوئی شمع جلاتے جاتے

درسِ قرآن

سورۂ بنی اسرائیل: آیات ۱تا۸

صوفی جمیل الرحمن عباسی

﴿سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ*وَآتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِبَنِي إِسْرَائِيلَ أَلَّا تَتَّخِذُوا مِنْ دُونِي وَكِيلًا*ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا*وَقَضَيْنَا إِلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا*فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ وَكَانَ وَعْدًا مَفْعُولًا*ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَاكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَجَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا*إِنْ أَحْسَنْتُمْ أَحْسَنْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيَسُوءُوا وُجُوهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبِّرُوا مَا عَلَوْا تَتْبِيرًا*عَسَى رَبُّكُمْ أَنْ يَرْحَمَكُمْ وَإِنْ عُدْتُمْ عُدْنَا وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا﴾

"پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصی تک لے گئی جس کے ماحول پر ہم نے برکتیں نازل کی ہیں، تاکہ ہم انھیں اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہ ہر بات سننے والی، ہر چیز دیکھنے والی ذات ہے۔ اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی اور اس کو بنی اسرائیل کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنایا تھا کہ (اے بنی اسرائیل) تم میرے سوا کسی اور کو اپنا کارساز قرار نہ دینا۔ اے ان لوگوں کی اولاد، جن کو ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا بے شک وہ بڑے شکر گزار بندے تھے۔ اور ہم نے کتاب میں فیصلہ کرکے بنو اسرائیل کو اس بات سے آگاہ کر دیا تھا کہ تم زمین میں دو مرتبہ فساد مچاؤ گے، اور بڑی سرکشی کا مظاہرہ کروگے۔ چنانچہ جب ان دو واقعات میں سے پہلا واقعہ پیش آیا تو ہم نے تمھارے سروں پر اپنے ایسے بندے مسلط کر دیے جو سخت جنگجو تھے، اور وہ تمھارے شہروں میں گھس کر پھیل گئے۔ اور یہ ایک ایسا وعدہ تھا جسے پورا ہو کر رہنا ہی تھا۔ پھر ہم نے تمھیں یہ موقع دیا کہ تم پلٹ کر ان پر غالب آؤ، اور تمھارے مال و دولت اور اولاد میں اضافہ کیا، اور تمھاری نفری پہلے سے زیادہ بڑھادی۔ اگر تم اچھے کام کروگے تو اپنے ہی فائدے کے لیے کروگے، اور برے کام کروگے تو بھی وہ تمھارے لیے ہی برا ہوگا۔ چنانچہ جب دوسرے واقعے کی

میعاد آئی (توہم نے دوسرے دشمنوں کو تم پر مسلط کر دیا) تاکہ وہ تمھارے چہروں کو بگاڑ ڈالیں، اور تاکہ وہ مسجد میں اسی طرح داخل ہوں جیسے پہلے لوگ داخل ہوئے تھے، اور جس جس چیز پر ان کا زور چلے، اس کو تہس نہس کر کے رکھ دیں۔ عین ممکن ہے کہ (اب) تمھارا رب تم پر رحم کرے۔ لیکن اگر تم پھر وہی کام کرو گے، تو ہم بھی تمھارے ساتھ دوبارہ وہی کریں گے، اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لیے قید خانہ بنا ہی رکھا ہے"۔

سفر معراج کا ذکر

پہلی آیت میں معراج کا ذکر کیا گیا لیکن اس کا آغاز سُبْحَانَ الَّذِي کہہ کر اللہ تعالی کی پاکی اور اس کی شان اور قدرت کی طرف اشارہ کیا گیا تاکہ آئندے بیان ہونے والے محیر العقول واقعات اور انقلاباتِ زمانہ پر کسی کو تعجب نہ ہو۔ واقعۂ معراج کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور رات کے وقت انھیں ایک جانور پر سوار کیا جس کا نام براق تھا، وہ انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ آپ کو مسجد حرام سے بیت المقدس تک لے گیا، یہ سفر معراج کا پہلا مرحلہ تھا، جسے اسراء کہا جاتا ہے، پھر یہاں سے آسمانی سفر شروع ہوا جس کا اجمالی ذکر سورۃ النجم اور تفصیلی ذکر احادیث میں ہے۔

ملک شام کی برکت

مسجد اقصی کے ذکر میں اس کے ارد گرد کے بابرکت ہونے کا اعلان کیا گیا یعنی جس ملک میں مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) واقع ہے وہاں حق تعالیٰ نے بہت سی ظاہری و باطنی برکات رکھی ہیں۔ مادی حیثیت سے چشمے، نہریں، غلے، پھل اور میووں کی افراط، اور روحانی اعتبار سے دیکھا جائے تو کتنے ہی انبیا و رسل کا مسکن و مدفن اور ان کے فیوض و انوار کا سر چشمہ رہا ہے۔

معراج کی حکمت

﴿لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ " تاکہ ہم آپ کو اپنی نشانیاں دکھائیں "۔ ان الفاظ میں اسرا و معراج کی حکمت کی طرف اشارہ کیا گیا۔ مکہ سے بیت المقدس کا تیز ترین سفر اور یہاں سے آسمانی سفر، انبیاے کرام اور رسولوں سے ملاقات اور ان کی امامت کرنا، جنت دوزخ کا نظارہ اللہ تعالی سے گفتگو کے علاوہ کئی نشانیاں اللہ کے نبی ﷺ کو دکھائی

گئیں۔ نبی کریم ﷺ کو بیت المقدس لے جانے میں یہ بھی اشارہ ہوگا کہ جو کمالات؛ انبیاے بنی اسرائیل وغیرہ پر تقسیم ہوئے تھے آپ کی ذات مقدس میں وہ سب جمع کر دیے گئے، جو نعمتیں بنی اسرائیل پر مبذول ہوئی تھیں، ان پر اب بنی اسماعیل کو قبضہ دلایا جانے والا ہے۔ ''کعبہ'' اور ''بیت المقدس'' دونوں کے انوار و برکات کی حامل ایک ہی امت ہونے والی ہے۔ احادیثِ معراج میں تصریح ہے کہ بیت المقدس میں تمام انبیا علیہم السلام نے آپ کی اقتدا میں نماز پڑھی۔ گویا حضور ﷺ کو جو سیادت و امامتِ انبیا کا منصب دیا گیا تھا اس کا حسی نمونہ آپ کو اور مقربین بارگاہ کو دکھلایا گیا۔

بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے احسانات کا ذکر

اگلی آیات میں بنی اسرائیل کو ایمان کی دعوت دی جانے والی ہے۔ اس سے پہلے ان پر اپنے احسانات بتائے جارہے تاکہ ان کا دل نرم ہو جائے۔ اس ضمن میں پہلے تورات کا ذکر کیا کہ وہ حضرت موسی علیہ السلام کے ذریعے سے انھیں ملی تھی جو ان کا تعلق و اعتماد، کائنات کی سب سے بڑی قوت اللہ تعالیٰ سے قائم کرتی تھی کہ صرف اسی کو کارساز سمجھا جائے۔ اس کے بعد اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا کہ تم ان لوگوں کی اولاد ہو جو حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لائے اور ان کی کشتی میں سوار ہو کر اللہ کے عذاب سے مامون رہے تھے اور یہ کہ تمھارے پیش رو حضرت نوح علیہ السلام بہت شکر گزار انسان تھے لہذا، تم بھی شکر گزاری کا رویہ اختیار کرو، تورات کی تعلیم پر عمل اور اپنے اجداد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ایمان و توحید کو اختیار کرو۔

تاریخ سے عبرت

اپنے احسانات جتلانے کے بعد اب بنی اسرائیل کو ان کی تاریخ کے عبرتناک واقعات کے ذریعے سے خبردار کیا جارہا ہے۔ شاہ عبد القادر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: '' یعنی توراۃ میں کہہ دیا گیا تھا کہ بنی اسرائیل دو بار شرارت کریں گے، اس کی جزا میں دشمن ان کے ملک پر غالب ہوں گے۔ ایک بار جالوت غالب ہوا، پھر حق تعالیٰ نے اس کو حضرت داؤد کے ہاتھ سے ہلاک کیا۔ اس کے بعد بنی اسرائیل کو ریاست و طاقت سے نوازا۔ جب انھوں نے دوسری بار سرکشی اختیار کی تو بخت نصر کو ان پر مسلط کیا گیا جس کے بعد انھوں نے قوت نہ پکڑی اور ہمیشہ کے لیے ذلیل ہو رہے۔ علامہ عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''بعض علماء نے پہلے وعدے سے بخت نصر کا حملہ اور دوسرے وعدے سے ''طیطوس رومی'' کا مراد لیا

ہے۔کیونکہ ان دونوں حملوں میں یہود پر پوری تباہی آئی اور ”مقدس ہیکل“ کو برباد کیا گیا“۔

دعوتِ ایمان اور ترغیب وترہیب

﴿عَسَى رَبُّكُمْ أَنْ يَرْحَمَكُمْ وَإِنْ عُدْتُمْ عُدْنَا وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا﴾ ”عین ممکن ہے کہ (اب) تمھارا رب تم پر رحم کرے۔ لیکن اگر تم پھر وہی کام کرو گے، تو ہم بھی تمھارے ساتھ دوبارہ وہی کریں گے، اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لیے قید خانہ بنا ہی رکھا ہے“۔ عبرت دلانے کے بعد اب انھیں رحمت کی امید دلائی جا رہی ہے کہ تم اب بھی اللہ کی رحمت کے حقدار بن سکتے ہیں اگر تم اس آخری نبی امی ﷺ پر ایمان لا کر ان کے دامن سے وابستہ ہو جاؤ۔ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا اور اپنی سابقہ روش پر قائم رہے تو پھر ہم تمھیں دنیا میں اسی طرح سزائیں دیں گے جیسا کہ پہلے دیتے رہے ہیں اور پھر آخرت میں دوزخ کا عذاب بھی ہم نے تیار کر رکھا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ اہل کتاب نے اس آخری موقعے سے فائدہ نہ اٹھایا بلکہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کی امت کی دشمنی پر کمر باندھے رکھی۔ مختلف اوقات میں یہ کبھی دوسری اقوام کے ہاتھوں اور کبھی ایک دوسرے کے ہاتھوں پٹتے رہے ہیں۔ حضرت عیسی علیہ السلام کے نزول کے بعد مسلمانوں کے ہاتھوں ان کی عالمی ہزیمت و گوشمالی، طے شدہ ہے جس کی خبریں احادیث میں دی گئی ہیں، رہا آخرت کا معاملہ تو نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان عالی شان فیصلہ کن ہے کہ جس یہودی یا عیسائی نے میری بعثت کی خبر سن لی پھر ایمان نہ لایا تو وہ دوزخ میں جائے گا۔ (مسند احمد)

درس حدیث

بیت المقدس میں حضرت یحیٰ علیہ السلام کا وعظ

ابنِ عباس

عَنْ حَارِثٍ الأَشْعَرِي رضي الله عنه أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: إِنَّ اللهَ أَمَرَ يَحْيَى بْنَ زَكَرِيَّا بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ أَنْ يَعْمَلَ بِهَا وَيَأْمُرَ بَنِى إِسْرَائِيلَ أَنْ يَعْمَلُوا بِهَا وَإِنَّهُ كَادَ أَنْ يُبْطِئَ بِهَا فَقَالَ عِيسَى: إِنَّ اللهَ أَمَرَكَ بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ لِتَعْمَلَ بِهَا وَتَأْمُرَ بَنِى إِسْرَائِيلَ أَنْ يَعْمَلُوا بِهَا فَإِمَّا أَنْ تَأْمُرَهُمْ وَإِمَّا أَنَا آمُرُهُمْ. فَقَالَ يَحْيَى: أَخْشَى إِنْ سَبَقْتَنِى بِهَا أَنْ يُخْسَفَ بِى أَوْ أُعَذَّبَ فَجَمَعَ النَّاسَ فِى بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَامْتَلأَ الْمَسْجِدُ وَقَعَدُوا عَلَى الشُّرَفِ فَقَالَ إِنَّ اللهَ أَمَرَنِى بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ أَنْ أَعْمَلَ بِهِنَّ وَآمُرَكُمْ أَنْ تَعْمَلُوا بِهِنَّ أَوَّلُهُنَّ أَنْ تَعْبُدُوا اللهَ وَلاَ تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَإِنَّ مَثَلَ مَنْ أَشْرَكَ بِاللهِ كَمَثَلِ رَجُلٍ اشْتَرَى عَبْدًا مِنْ خَالِصِ مَالِهِ بِذَهَبٍ أَوْ وَرِقٍ فَقَالَ هَذِهِ دَارِى وَهَذَا عَمَلِى فَاعْمَلْ وَأَدِّ إِلَيَّ فَكَانَ يَعْمَلُ وَيُؤَدِّى إِلَى غَيْرِ سَيِّدِهِ فَأَيُّكُمْ يَرْضَى أَنْ يَكُونَ عَبْدُهُ كَذَلِكَ وَإِنَّ اللهَ أَمَرَكُمْ بِالصَّلاَةِ فَإِذَا صَلَّيْتُمْ فَلاَ تَلْتَفِتُوا فَإِنَّ اللهَ يَنْصِبُ وَجْهَهُ لِوَجْهِ عَبْدِهِ فِى صَلاَتِهِ مَا لَمْ يَلْتَفِتْ وَآمُرُكُمْ بِالصِّيَامِ فَإِنَّ مَثَلَ ذَلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ فِى عِصَابَةٍ مَعَهُ صُرَّةٌ فِيهَا مِسْكٌ فَكُلُّهُمْ يَعْجَبُ أَوْ يُعْجِبُهُ رِيحُهَا وَإِنَّ رِيحَ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ وَآمُرُكُمْ بِالصَّدَقَةِ فَإِنَّ مَثَلَ ذَلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ أَسَرَهُ الْعَدُوُّ فَأَوْثَقُوا يَدَهُ إِلَى عُنُقِهِ وَقَدَّمُوهُ لِيَضْرِبُوا عُنُقَهُ فَقَالَ أَنَا أَفْدِيهِ مِنْكُمْ بِالْقَلِيلِ وَالْكَثِيرِ. فَفَدَى نَفْسَهُ مِنْهُمْ وَآمُرُكُمْ أَنْ تَذْكُرُوا اللهَ فَإِنَّ مَثَلَ ذَلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ خَرَجَ الْعَدُوُّ فِى أَثَرِهِ سِرَاعًا حَتَّى إِذَا أَتَى عَلَى حِصْنٍ حَصِينٍ فَأَحْرَزَ نَفْسَهُ مِنْهُمْ كَذَلِكَ الْعَبْدُ لاَ يُحْرِزُ نَفْسَهُ مِنَ الشَّيْطَانِ إِلاَّ بِذِكْرِ اللهِ (سنن الترمذي)

”حارث اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ” بے شک اللہ تعالیٰ نے یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کو پانچ باتوں کا حکم دیا کہ وہ ان پر خود بھی عمل کریں اور بنی اسرائیل کو بھی ان کا حکم دیں۔ قریب تھا کہ وہ اس میں تاخیر کر دیتے لیکن عیسیٰ علیہ السلام نے انھیں یاد کرایا اور کہا: اللہ تعالیٰ نے آپ کو پانچ باتوں کا حکم دیا ہے کہ آپ خود ان پر عمل کریں اور بنی اسرائیل کو بھی ان پر عمل کا حکم دیں (اب جب کہ دیر ہو رہی ہے تو) یا تو آپ انھیں ان باتوں کا حکم سنائیں یا پھر میں یہ کام کروں“، یحییٰ علیہ السلام نے کہا: آپ نے ان امور پر مجھ سے سبقت کی تو مجھے ڈر ہے میں کہیں زمین میں دھنسا نہ دیا جاؤں یا عذاب میں مبتلا نہ کر دیا جاؤں، پھر انھوں نے لوگوں کو بیت المقدس میں جمع کیا، مسجد لوگوں سے بھر گئی۔ لوگ ٹِیلوں پر بھی جا بیٹھے، پھر یحیی علیہ السلام نے فرمایا: اللہ نے مجھے پانچ باتوں کا حکم دیا ہے کہ میں خود بھی ان پر عمل کروں اور تمھیں حکم دوں کہ

تم بھی ان پر عمل کرو۔ پہلی چیز یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور اس شخص کی مثال جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا اس آدمی کی ہے جس نے ایک غلام خالص اپنے مال سے سونا یا چاندی دے کر خریدا، اور (اس سے) کہا: یہ میرا گھر ہے اور یہ میرا کام ہے تو تم کام کرو اور منافع مجھے دو، سو وہ کام کرتا ہے اور نفع اپنے مالک کے سوا کسی اور کو دیتا ہے، تو بھلا کون شخص یہ پسند کر سکتا ہے کہ اس کا غلام اس قسم کا ہو، اور اللہ تعالیٰ نے تمھیں نماز کا حکم دیا ہے تو جب تم نماز پڑھو تو ادھر ادھر نہ دیکھو۔ کیوں کہ اللہ اپنا چہرہ (توجہ اور عنایت) نمازی کے چہرے کی طرف رکھتا ہے جب تک کہ وہ نمازی ادھر ادھر نہ دیکھے اور تمھیں روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کی مثال اس آدمی کی ہے جو ایک گروہ کے ساتھ ہے۔ اس کے ساتھ ایک تھیلی ہے جس میں مشک ہے اور ہر ایک کو اس کی خوشبو بھاتی ہے۔ پس روزے دار کے منھ کی بو مشک کی خوشبو سے بڑھ کر ہے اور تمھیں صدقہ وزکاۃ دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اس صدقہ وزکاۃ کی مثال یوں ہے کہ کسی شخص کو دشمن نے قیدی بنالیا ہے اور اس کے ہاتھ اس کے گردن سے ملا کر باندھ دیے ہیں، اور اسے گردن اڑانے کے لیے لے کر چلے تو اس (قیدی) نے کہا کہ میرے پاس جو کچھ تھوڑا بہت مال ہے وہ میں تمھیں فدیے میں دے کر اپنے آپ کو چھڑالینا چاہتا ہوں، پھر وہ فدیہ دے کر خود کو آزاد کرالیتا ہے۔ اور اللہ نے تمھیں حکم دیا ہے کہ تم اس کا ذکر کرو۔ اس کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جس کا پیچھا دشمن تیزی سے کرے اور وہ ایک مضبوط قلعہ میں پہنچ کر اپنی جان کو ان (دشمنوں) سے بچالے۔ ایسے ہی بندہ (انسان) اپنے کو شیطان (کی وسوسہ اندازی) سے اللہ کے ذکر کے بغیر نہیں بچاسکتا"۔ اس حدیث پاک میں ایک طرف تو بیت المقدس کے منبع توحید اور پیغمبروں کے مرکز ہونے کی فضیلت کا اظہار ہوتا ہے اور دوسری طرف ان بنیادی تعلیمات کا ذکر بھی ہے جن کی تعلیم بنی اسرائیل کو اللہ اور ان کے رسولوں کی طرف سے دی گئی تھی۔ اور انھی تعلیمات کو ماننے کے سبب وہ بیت المقدس کے متولی اور اللہ کے نمائندے بنائے گئے تھے۔ ان تعلیمات میں اہم ترین توحید، نماز، روزے اور صدقہ وزکاۃ کے احکامات ہیں۔ لیکن افسوسناک صورتحال یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے نہ صرف یہ کہ اپنے انبیاے کرام کی تعلیمِ توحید وعبادات کو ترک کیا بلکہ بعد میں نبی کریم ﷺ کا انکار کر کے، کفرِ عظیم کے مرتکب ہو گئے۔ ان جرائم کے سبب وہ بیت المقدس کی تولیت اور خدائی نمائندگی کے منصب کے حقدار نہیں رہے اور بیت المقدس کی نگہبانی کے حقدار اب وہی لوگ ہوسکتے ہیں جو حضرت یحیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیاے کرام کی تعلیمات کے امین ہیں۔

دینی مزاج کی فکر کے لیے اسلامی ہوسٹل کا قیام

محمد قمرالزماں ندوی

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: ”ایک تو میں علماء سے کہتا ہوں کہ وہ مہربانی کریں کہ اب کوئی دارالعلوم کے نام پر ہرگز دارالعلوم نہ بنائیں، البتہ ایک ضروری کام یہ کریں، کہ جہاں حکومت کوئی یونیورسٹی یا کالج بنائے، وہیں تم لوگ طلبہ کی رہائش کے لیے ہاسٹل بناؤ، مدرسہ نہ ہو دارالعلوم نہ ہو، ہاسٹل ہو اور اس میں بس مسجد ہو، اس ہاسٹل میں طلبہ کو مفت رہائش دی جائے، لیکن کھانے کے پیسے ان سے لیے جائیں، ان سے کہا جائے کہ بھائی کھانے کے پیسے جمع کراؤ اور رہائش فری ہو، بس ان سے یہ شرط طے کرلی جائے کہ بیٹا جب تک تم اس ہاسٹل میں رہو گے تو نماز باجماعت پڑھوگے، جب تم کالج میں جاؤ، کہیں جاؤ تو ہم تمھیں کچھ نہیں کہیں گے تم جانو تمھارا خدا جانے اور صبح کی نماز کے بعد تین آیات درسِ قرآن اور عشا کے بعد تین احادیث کا درس دیا جائے۔ پھر یہی لوگ کل کو حکومت کے اعلی عہدوں پر پہنچیں گے، یہ مولوی تو نہیں بنیں گے لیکن مولوی بیزار نہیں ہوں گے، مولویوں سے نفرت نہیں ہوگی، یہ تمھارے قریب رہ چکے ہوں گے اور انھوں نے تم سے استفادہ کیا ہوگا“۔

یہی تجویز حضرت مولانا گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی تھی، جو اپنے وقت کے بڑے عالم، محقق اور مصنف تھے، جن کی وسعتِ نظر اور وسعتِ مطالعہ کی نظیر و مثال آسانی سے نہیں ملے گی۔ رسوخ فی العلم ان کا امتیاز تھا، خدا نے انھیں ملت کا درد دیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں کے لیے کالج اور تعلیم گاہوں کے قائم کرنے سے زیادہ ضروری اسلامی ہوسٹل یا اسلامی اقامت خانے قائم کرنا ہے، جہاں ان کی پوری علمی، دینی، اخلاقی اور فکری تربیت کی جاسکے، جہاں ان کی نقل و حرکت پر نظر ہو اور ان کی صحیح نگرانی ہوسکے، اور ان کی زندگی کو ملت کے لیے مفید اور آئیڈیل بنایا جاسکے۔ ان اقامت خانوں میں وہ طلبہ قیام کریں جو سرکاری اور غیر سرکاری تعلیمی اداروں سے وابستہ ہوں۔ ان کے قیام و طعام کا قیمتاً نظم ہو اور ہر طرح کا عمدہ ماحول اور علمی و عملی فراوانیاں ہوں، تاکہ ان کی ذہنی نشو و نما اسلامی طرز سے ہوسکے۔ مقدمۂ مکاتیبِ گیلانی میں مولانا عبد الباری ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی پوری تفصیل تحریر فرمائی ہے، مولانا گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے

اخبار و رسائل کے ذریعے ملک بھر کے سرکردہ اہلِ علم حضرات اور علماء کو اپنی تجویز سے باخبر کیا، سب نے اس کی پذیرائی کی اور خوب سراہا، اور اس تجویز کو خوش آئند قدم قرار دیا، مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک کہا کہ مولانا گیلانی کی یہ تجویز بڑی دینی بصیرت تھی کہ انھوں نے اسلامی اقامت خانوں کی تجویز پیش کی، جو کم از کم ہندوستان کے موجودہ حالات میں اس مسئلے کا ایک علمی اور معقول حل ہے۔

یقیناً اس تجویز کا فائدہ تعلیم گاہوں کے قیام سے زیادہ تھا اور کم خرچ بالا نشیں کا مصداق تھا۔ ہر شہر میں ایسے ہوسٹل اور اقامت خانوں کی شدید ضرورت ہے، لیکن اب تک مولانا سندھی اور مولانا گیلانی رحمۃ اللہ علیہما کی اس بے مثال تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش نہیں کی گئی، اور امت نے ان دو اکابر کے اس قیمتی مشورے کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ تعلیمی ادارے بہت قائم ہوئے جن میں پڑھ کر تعلیم یافتہ لیکن ناتربیت نسل تیار ہو رہی ہے اور مسلمانوں کی تمام تر تنظیمی اور مالی صلاحیتیں صرف ان تعلیمی اداروں کے قائم کرنے پر خرچ ہو رہی ہیں۔ یہ کام بھی بہت ضروری ہے لیکن اسلامی ہوسٹل اور اقامت خانوں کے بغیر ان کی افادیت کم ہے۔

مولانا گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے امت کی اصلاح کی فکر اور بطورِ خاص نئی نسل کے زاویۂ فکر و نظر کو دینی سانچے میں ڈھالنے کی بے پناہ استعداد سے نوازا تھا۔ تقدیر کا فیصلہ دیکھیے! وہ عثمانیہ یونیورسٹی پہنچ گئے، وہاں ان کا سابقہ جدید تعلیم یافتہ طبقے سے پڑا، ان کے افکار و خیالات سے واقفیت ہوئی، ان کے اعتراضات و اشکالات سامنے آئے۔ ان تمام چیزوں سے انھیں بے شمار تجربات حاصل ہوئے، مولانا کے اندر یہ تڑپ تھی کہ اگر آج قومِ مسلم کی نوجوان نسل خصوصاً جدید تعلیم یافتہ طبقے کے ذہن و افکار میں اسلامیات، دینی مزاج اور سیرت سازی کا کام کیا جائے تو عالمِ اسلام کی کایا پلٹ سکتی ہے، اور بگڑی تقدیر سنور سکتی ہے، اسی طرح عام مسلمانوں کے اندر جذبۂ ایمانی کو پیدا کر کے اسلام کی روح پھونکی جا سکتی ہے۔ اس کے لیے وہ اسلامی اقامت خانے کو سب سے زیادہ مفید و مؤثر خیال کرتے تھے۔ دوسری طرف انھوں نے عثمانیہ یونیورسٹی میں رہ کر جدید عصری تعلیم یافتہ نسل کی جو دینی و فکری تربیت کی، جس طرح انھوں نے افراد تیار کیے، طلبہ کی زندگی میں جو تبدیلیاں آئیں اور اسلامی ذہن و فکر اور اس مزاج و مذاق رکھنے والوں کی جو ایک کھیپ تیار ہوئی، جس نے اطرافِ عالم میں پھیل کر اپنے استاد کے تیار کردہ عظیم خاکوں میں جو رنگ و آہن بھرا اور جس

سے آج بھی ایک خلقت سیراب اور فیض یاب ہو رہی ہے، یہ مولانا گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ کارنامہ ہے جن میں بہت کم لوگ ان کے سہیم و شریک ہیں۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی شہادت سنیے، لکھتے ہیں: ''ان (مولانا) کا سب سے بڑا کارنامہ جس میں ان کا کوئی حریف نہیں ہو سکتا یہ ہے کہ انھوں نے اپنے فیضانِ تعلیم و تربیت سے انگریزی تعلیم یافتہ طبقے میں ایک دو نہیں کثرت سے ایسے افراد پیدا کر دیے جو مغربی علوم و فنون کی اعلی اسناد رکھنے کے باوجود آج اسلامی علوم و فنون کی بڑی قابل قدر خدمات انجام دے رہے ہیں، اور جن کی اسلامی تحقیقات کی گونج یورپ و امریکہ تک کے علمی حلقوں میں ہے۔ (مناظر گیلانی ۵۷)

کاش مولانا گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا اسلامی ہوسٹل کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو جاتا، خلف؛ سلف کے اس قیمتی مشورے کو قبول کر لیتی تو آج امت کی یہ حالت نہ ہوتی۔ آج مخصوص افراد، اصحابِ ثروت اور دینی تنظیمیں جمعیت علماے ہند، مجلس مشاورت، ملی کونسل پاپولر فرنٹ، امارتِ شرعیہ اور دیگر ذیلی اور علاقائی تنظیمیں اس کے لیے کوشش کریں تو یہ کوئی محال اور ناممکن کام نہیں ہے۔ کاش اللہ انھیں یہ توفیق مرحمت فرمادے۔ آمین

(الحمد للہ! فقہ اکیڈمی کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد یہ بھی ہے جس کے لیے ایسے دارالاقامے کے قیام کے لیے سعی جاری ہے، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اپنے فضل و کرم سے اس منصوبے کی تکمیل فرمائیں اور اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرمائیں، آمین۔ از: مدیر)

اسلام کے تین بنیادی ادارے

مفتی اویس پاشا قرنی

اللہ تعالیٰ نے کائنات میں ہر سو اپنی نعمتیں بکھیر رکھی ہیں۔جن سے انسان فیض یاب ہو رہا ہے۔یہ نعمتیں ہر طرح کی ہیں حسی بھی اور معنوی بھی، اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں:﴿وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً﴾"اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری پوری نچھاور کی ہیں"ظاہری نعمتوں سے حسی نعمتیں مثلاً باغ و بہار اور مال واولاد وغیرہ مراد ہیں جبکہ باطنی نعمتوں سے مراد، امورِ دین و شریعت ہیں۔ویسے تو نعمت کی یہ دونوں قسمیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مظہر ہیں لیکن ان نعمتوں میں سب سے بڑی کامل اور مکمل نعمت دین ہے۔قرآن مجید میں فرمایا گیا:﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾"آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت کا اتمام کر دیا، اور تمھارے لیے اسلام کو دین کے طور پر (ہمیشہ کے لیے) پسند کر لیا"۔(مائدہ:۳) تو آج ہمیں اس بات کا استحضار ہونا چاہیے کہ یہ دین ہمارے لیے دنیا و آخرت کی سب سے بڑی نعمت ہے۔جتنی نعمتیں آپ کو اور مجھے حاصل ہیں ان میں سب سے بڑی نعمت دین کی نعمت ہے اور اس میں کسی قسم کے شک وشبہے کی گنجائش نہیں ہے۔بلکہ اس میں شک ہو سکتا ہی نہیں ہے۔اور یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ ہر نعمت کو نعمت یہ دین ہی بنا رہا ہے اور اگر یہ نعمتِ ہدایت میسر نہیں ہے تو کوئی نعمت، نعمت نہیں ہے۔مثال کے طور پر مال ودولت بہرحال اللہ کی ایک نعمت ہے اب اگر یہ مال کسی دیندار بندے کے ہاتھ میں ہے تو یہ اس کے لیے بہترین چیز اور نعمت ہے اس لیے کہ وہ اس مال سے اپنے لیے آخرت کمائے گا: جیسے ایک حدیث میں آتا ہے:((نِعْمَ الْمَالُ الصَّالِحُ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ))(مسند احمد) اور اگر یہی مال کسی ایسے انسان کے ہاتھ میں ہو جو دیندار نہ ہو اور تقوی سے محروم ہو تو یہ اس مال کو غلط سلط بلکہ گناہ کے کاموں میں خرچ کر کے خود کو اللہ کی ناراضی بلکہ عذاب کا مستحق بنا لے گا جیسا کہ بعض لوگوں کے بارے میں فرمایا گیا:﴿فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا﴾(المنافقون:۵۵)" اے نبی آپ ان کے مال واولاد پر تعجب نہ کیجیے بے شک اللہ چاہتا ہے کہ ان کو مبتلائے عذاب کرے ان کے ذریعے سے"۔اب یہ مال ویسے تو نعمت ہے لیکن تقوی اور دینداری

سے محروم شخص کے لیے یہ نعمت نہیں بلکہ زحمت ہے تو معلوم ہوا کہ سب سے بڑی نعمت دین ہے اور دوسری تمام نعمتیں دین کے ساتھ ہی نعمت کہلانے کی حقدار ہیں۔ نعمتوں کے بارے میں اللہ تعالی کا تقاضا یہ ہے کہ ان کا شکر ادا کیا جائے اسی لیے کئی مقامات پر اللہ تعالی نے نعمتوں کے ذکر کے بعد فرمایا: ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴾ ”تاکہ تم شکر ادا کیا کرو“ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر یہ کہ شکر ادا کرنا، عبادت کا لازمی حصہ ہے اس لیے فرمایا: ﴿وَاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ﴾ (النحل:۱۱۴) ”اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو، اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو تو“۔ اللہ تعالی کی نعمتوں کا تعلق شکر سے بھی ہے کہ شکر کرنے سے نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے اور نعمتوں کی ناشکری سے نعمتیں چھین لی جاتی ہیں: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ﴾ (ابراہیم:۷) اگر تم شکر کرو گے تو ہم تمھیں نعمتوں میں بڑھا دیں گے اور اگر تم ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بھی بہت شدید ہے“۔ تو اللہ تعالی کی تمام ہی نعمتوں پر شکر گزاری کا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ اچھی صحت بھی نعمت ہے، تونگری بھی نعمت ہے اور دیگر جتنی بھی سہولیات ہمیں میسر ہیں، ان پر ہمیں شکر کرنا چاہیے، مگر سب سے بڑھ کر جس نعمت پر شکر کرنا چاہیے وہ دین کی نعمت ہے۔ ہمارے دیندار لوگ جو شکر گزاروں کا رویہ رکھتے ہیں وہ دنیا کی نعمتوں پر شکر تو کر لیتے ہیں مثلاً کہا جاتا ہے کہ الحمد اللہ! صحت اچھی ہے۔ عافیت کے ساتھ دن گزر رہے ہیں وغیرہ۔ مگر دین کے بارے میں شکر گزاری کہ اے اللہ تیرا شکر ہے تو نے دیندار بنایا۔ الحمد للہ کہ اس نے قرآن مجید کی تلاوت اور نمازوں کی ادائی کی توفیق عطا فرمائی، اے اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے علم دین سیکھنے یا سکھانے کا موقع عطا فرمایا۔ اسی طرح علم دین اور دعوت دین کے لیے وسائل اور نیک صحبتوں کا دستیاب ہونا بھی اللہ تعالی کی نعمت ہے۔ اگر اس کا احساس واعتراف نہ ہو تو اس طرز عمل سے ناقدری و ناسپاسی کا اظہار ہوتا ہے۔ جاننا چاہیے کہ دین کی بابت ناقدری بہت بڑی شے ہے اور بڑے سنگین نتائج کی حامل ہوا کرتی ہے۔ اگر آپ گزشتہ صدی کا جائزہ لیں تو نظر آئے گا کہ اسی روے ارضی پر ممالک اسلامی میں سے بعض علاقے ایسے تھے جو کہ عرصے سے دین کے مراکز چلے آرہے تھے۔ مثال کے طور پر وسط ایشیائی علاقے آذربائیجان، ترکمانستان وغیرہ یہ علاقے اسلام کا صدر اور علومِ اسلامی کا مرکز ہوا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ہندوستان، پاکستان میں جو اسلام آیا وہ اسی علاقے سے آیا۔ یعنی جو مغلیہ حکمران آئے ہیں اور ان کے ساتھ جو علماے کرام اور صوفیاے عظام تشریف لائے وہ انھی وسط ایشیائی علاقوں سے تعلق رکھتے تھے۔ ہماری کتبِ دینیہ

میں اسے ماوراء النہر کا علاقہ کہا جاتا ہے۔ ان میں سمرقند و بخارا مشہور ہیں۔ آج بھی ہماری کتابوں میں اکثر جن محدثین اور متاخرینِ حنفیہ کا ذکر آتا ہے وہ سمرقند و بخارا سے آئے ہیں۔ بہرحال یہ وہ علاقے ہیں جو اسلام اور علم کا مرکز تھے مگر کہیں ۷۰ سال پہلے، کہیں ۸۰ سال پہلے، کہیں ۹۰ سال پہلے ان علاقوں پر یہ افتاد آپڑی کہ دین کی نعمت ان سے روٹھ گئی۔ یہاں تک کہ علوم نبوت کے اہم مراکز مسجد، مدرسہ اور خانقاہ ان تین اداروں کو بڑے اہتمام کے ساتھ بند کیا گیا۔

ہمارے ایک دوست جن کا تعلق ازبکستان سے ہے اور آج کل ترکی کے ایک مدرسے میں تدریس کرتے ہیں وہ بتاتے ہیں کہ ہمارے محلے میں فوجی ٹرک آتا تھا اور اعلان ہوتا تھا کہ گھروں میں جس کتاب میں عربی لکھی ہوئی ہے خواہ وہ قرآن مجید ہو یا اس کے علاوہ جتنی بھی کتابیں ہیں ساری لاؤ اور جمع کروادو۔ تو سب لوگ ایسی کتابیں جمع کروادیتے اور روسی فوجی اسے لے جاکر چوک میں جمع کرتے اور آگ لگادیتے۔ کہتے ہیں کہ میری والدہ نے قرآن مجید کا ایک نسخہ چھپالیا اور رات کی تاریکی میں ہمیں پڑھایا کرتیں یہاں تک کہ ہم چار بھائیوں نے حفظِ قرآن مکمل کیا۔ یہی صاحب جب پہلی مرتبہ تبلیغ کے سلسلے میں پاکستان آئے اور ایک مکتب میں بہت سے قرآن مجید کے نسخے ایک ساتھ دیکھے اور انھیں معلوم ہوا کہ یہاں ہر بچے کا اپنا ایک نسخہ ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ مجھ سے خوشی کے مارے ضبط نہیں ہوا، اور میں وہیں بیہوش ہوگیا۔ لوگ مجھے ہوش میں لاکر پوچھتے آپ کو کیا ہوا؟ تو میں انھیں کیسے بتاتا کہ میں زندگی میں پہلی مرتبہ قرآن کریم کے نسخے بڑی تعداد میں دیکھنے کی خوشی کا تحمل نہیں کرپایا۔

اسی طرح ہمارے ایک دوست اسلام بخاری صاحب ہیں۔ یہ ازبکستان کے مفتی اعظم کے پوتے ہیں۔ آپ بڑی سختیوں سے گزر کر ترکی پہنچے اور وہاں استادِ محترم مفتی ابولبابہ شاہ منصور صاحب دامت برکاتہم سے ہدایہ شریف کا سبق پڑھتے ہیں، وہ بھی روداد سناتے ہیں کہ ہم کن سختیوں سے گزرے ہیں۔ تو یہ کیا ہوا کہ وہ جگہ جہاں سے اسلام دنیا میں پھیلا، جہاں سے علم و ہدایت کے راستے عام ہوئے، وہیں سے اسلام روٹھ گیا۔ مساجد کو اصطبل میں تبدیل کر دیا گیا۔ خانقاہوں کو قید خانوں میں بدل دیا گیا اور مدرسے کو خلافِ قانون قرار دے دیا گیا۔ تو یہ سب یونہی نہیں ہوا بلکہ ان لوگوں کی ناقدری کا یہ شاخسانہ تھا۔ تو لمحہ فکریہ ہے! آج جو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ دین کی بہاریں جتنی عام ہیں یہ بس یونہی چلتی رہیں گی تو ایسا نہیں ہے۔ بلکہ یہ بہاریں شکر گزاری کے قاعدے پر دائر ہیں کہ اگر ہم نے شکر گزاری کی تو ان شاء اللہ یہ

نعمت حاصل رہے گی اور اگر خدانخواستہ ناشکری کی تو یہ نعمت روٹھ جائے گی۔

خلافتِ عثمانیہ کا مرکز ترکی، وہاں آج کل جو اسلام پسندی عام ہو رہی ہے اور یہ سلسلہ پچھلے تیس سالوں سے جاری ہے بہت کچھ بہتری اور تبدیلی آنے کے باوجود بھی آپ کو نظر آئے گا کہ بہت سی مساجد ایسی ہیں جہاں مکمل تراویح میں قرآن مجید ختم نہیں کیا جاتا بلکہ آخری بیس سورتوں سے پڑھایا جا رہا ہوتا ہے۔ دس میں سے ایک مسجد ہے جس میں شاید قرآن مجید مکمل پڑھا جا رہا ہو۔ ہاں اب ان کے حفاظ تیار ہو رہے ہیں۔ جبکہ آپ دیکھیں کہ الحمداللہ پاکستان میں یہ نعمت کس قدر وافر ہے کہ یہاں جگہ نہیں ملتی کہ کہاں سنائیں، یعنی حفاظ کی تعداد اس قدر ہے۔ نیز دین سیکھنے کے اتنے امکانات ہیں کہ خواہ آپ زندگی کے جس مقام پر ہیں اور جس بھی شعبے سے تعلق رکھتے ہیں، جو وقت آپ کو دستیاب ہے، آپ کے لیے دین سیکھنے کے مستند ذرائع موجود ہیں۔ چاہے آپ جس علاقے میں بھی ہیں اور جس طرح دین سیکھنا چاہتے ہیں ویسی سہولیات دستیاب ہیں اور کوئی آپ سے پیسے بھی نہیں مانگے گا بلکہ مفت میں یہ نعمت دستیاب ہے۔ جن وسط ایشیائی علاقوں میں سے نعمت دین اٹھالی گئی، وہاں کے لوگوں سے ہم نے ایک عبرت ناک اور عجیب بات سنی ہے۔ یہ لوگ جو اب جوان ہیں بتاتے ہیں کہ ہمارے آباواجداد، والد دادا، پردادا، رورو کر اللہ سے معافی مانگتے تھے کہ اے اللہ! ہم سے کیا گناہ ہوا، ایسی کیا ناشکری ہوئی کہ یہ دین داری اور اس کے اسباب و ذرائع کی یہ نعمت ہم سے چھن گئی۔ موجودہ مثبت تبدیلی اور دین کی طرف رجوع دیکھ کر وہ لوگ کہتے ہیں: " الحمدللہ! لگتا ہے کہ ہماری توبہ قبول ہو رہی ہے"۔ بہرحال ہم یہ سمجھانا چاہ رہے ہیں کہ نعمت کی دستیابی اس قاعدے اور قانون پر منحصر ہے کہ اگر نعمت پر شکر گزاری کی جائے تو اللہ نعمتوں کو بڑھاتا ہے اور اگر نعمتوں کی ناقدری اور ناشکری کی جائے تو نعمتیں چھن جایا کرتی ہیں۔

اب یہ سمجھنا چاہیے کہ دین کی ناقدری اور ناشکری سے کیا مراد ہے۔ تو اس سے مراد یہ ہے کہ دین کے تقاضے نہ کیے جائیں۔ دین پر عمل پیرا ہونے اور دین سیکھنے سکھانے کے مواقع ہمیں حاصل رہے لیکن ہم نے ان سے فائدہ نہ اٹھایا بلکہ ہم دنیاداری میں مگن رہے اور غفلت میں پڑے رہے اور زندگی کا وقت گزرتا چلا گیا اور یہ تھوڑا سا جو سرمایہ حاصل ہے جس کو خرچ کر کے کچھ آخرت کما سکتے تھے وہ سرمایہ ضائع کر دیا تو یہ اس نعمت کی ناقدری ہے اور اگر ایسا کیا جائے تو جاننا چاہیے کہ یہ تو اللہ رب العزت نعمت کے قاعدے کے مطابق نعمتِ دین چھین لے گا۔ قرآن مجید میں

فرمایا:﴿وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُم﴾ ''اور اگر تم منہ موڑو گے تو وہ تمھاری جگہ دوسری قوم پیدا کر دے گا، پھر وہ تم جیسے نہیں ہوں گے''۔(محمد:۳۸) وہ محتاج نہیں ہے اس بات کا کہ مسلمانوں کو یہ نعمت حاصل رہی تو دین باقی رہے گا۔ بلکہ وہ دین کا جھنڈا، اوروں کو تھمادے گا اور وہ تم جیسے نہیں ہوں گے یعنی وہ دین کی قدر اور شکر گزاری کرنے والے ہوں گے۔ تو آج بس تقاضا یہی ہے کہ پہلے ہم دین کی نعمت کو نعمت جانیں۔ اور اس بات کا واضح ہونا بھی اشد ضروری ہے کہ یہ ایک کامل نعمت ہے۔ جاننا چاہیے کہ کسی شے کے نعمت ہونے کے کئی اسباب ہوا کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ مفید ہو تو وہ نعمت ہو جاتی ہے، اب یہ کہ اگر وہ نعمت صرف دنیا میں ہی مفید ہے تو وہ دنیا کی نعمت کہلائے گی اور اگر دنیا میں بھی کام آئے اور آخرت میں بھی کام آئے تو یہ ہر اعتبار سے کامل نعمت ہے کہ دو جہاں میں کام آنے والی ہے۔ پیچھے ہم نے اللہ تعالی کی نعمتوں کی دو قسمیں دیکھیں، ظاہری یعنی حسی نعمتیں اور باطنی یعنی معنوی نعمتیں، اب یہ جو معنوی نعمتیں ہیں یعنی دین و شریعت تو اس نعمت دین و شریعت کو بھی دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ایک ظاہری احکام یا اعمال اور دوسرے باطنی احکام یا اعمال۔ اس کی مثال یوں سمجھی جا سکتی ہے کہ نماز کے رکوع و سجود اچھی طرح کرنا کہ پورا جھکا جائے تو یہ ظاہری عمل ہے اور رکوع و سجود اور نماز کے تمام ارکان خشوع و خضوع سے ادا کرنا تو یہ ایک باطنی عمل ہے۔ تو یہ ہمارے دین کی جامعیت کا مظہر ہے کہ اس نے ہمیں ظاہری احکامات بھی سکھائے اور باطنی اعمال کی تعلیم بھی دی لہذا ہم سب کو چاہیے کہ ہم دین کے ظاہری و باطنی ہر دو پہلو پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ جس طرح نیکی کی دو قسمیں ہیں ایک ظاہری اور ایک باطنی تو اسی طرح گناہوں کی بھی دو قسمیں ہیں۔ کچھ ظاہری گناہ ہیں مثلاً کسی کو گالی دینا اور کچھ باطنی گناہ ہیں مثلاً کسی سے حسد یعنی اس کی نعمتوں کے چھن جانے کی خواہش کرنا۔﴿وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ﴾ 'اور تم ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے گناہ چھوڑ دو''۔(انعام:۱۲۰) تو ظاہری و باطنی نیکیوں کی تعلیم دینا اور ظاہری و باطنی گناہوں سے روکنا، یہ دین اسلام کی وہ خوبی ہے جو اس دین کو جامع اور کامل و اکمل بناتی ہے۔ اور اسی سے دنیا و آخرت کی سیادت و سعادت نصیب ہوتی ہے۔

سورۃ الفاتحہ میں تین قسم کے لوگوں کا تذکرہ ملتا ہے۔ ایک وہ قسم جو صراط مستقیم پر چلنے والے ہیں۔ دوسرے وہ جو انکار کرنے والے ہیں۔ پھر ان انکار کرنے والوں کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جن پر اللہ کا غضب نازل ہوا:

﴿الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ﴾ اور دوسرے وہ جو گمراہ ہوئے ﴿الضَّالِّيْن﴾ ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ﴿الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ﴾ نے اس نعمت کی ناقدری کی۔ ان کی ناقدری کی نوعیت کیا تھی کہ ان میں سے ہر ایک نے دین کے صرف ایک پہلو کو لیا اور باقی کو ضائع کر دیا۔ یہود نے صرف ظاہر کو لے لیا اور اس میں غلو کیا اور ان کے ہاں تکبر واستکبار اس قدر تھا کہ انبیا علیہم السلام کو قتل کر دیا گویا اللہ کے مقابل ضد اور عناد پال لیا ایسے گمراہ ہوئے کہ اللہ نے ان کو دھتکار دیا اور ان پر غضب نازل کیا۔ انھوں نے ظاہری پہلو لے لیا اور دین کے باطن کو چھوڑ دیا۔ احکامات کی روح کو فوت کر دیا اور احکامات کے ظاہر میں تاویلِ باطل کرتے رہے۔ اللہ نے ان پر اپنا غضب نازل کیا۔

دوسرا گروہ نصاریٰ کا تھا۔ انھوں نے ظاہر کو چھوڑ دیا اور باطن کو لے لیا۔ محبت میں غلو اور دین میں غلو اس قدر کیا کہ حضرت عیسی علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دے دیا۔ حالانکہ دین توحید کا تھا مگر عینِ توحید میں شرک پیدا کر دیا، پس گمراہ ہوئے۔ ایک نے دین کا صرف ظاہر جب کہ دوسرے نے دین کا صرف باطن لیا اور بقیہ دین سے صرفِ نظر کیا، اس طرح وہ اس نعمت عظمی کے کفران کے مرتکب ہوئے۔

اللہ تعالی نے جب اپنے آخری نبی کو کامل و اکمل دین دے کر بھیجا تو مذکورہ بالا تمام پہلو بھی اس دین میں شامل کیے۔ قرآن مجید میں کم از کم چار مرتبہ یہ تفصیل آئی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالی نے اپنے آخری نبی کو دین دے کر بھیجا اس کے ساتھ کچھ ذمے داریاں بھی تفویض کیں، یہ فرائض نبوت تھے: ﴿لَقَدْ مَنَّ اللهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ ”حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں پر بڑا، احسان کیا کہ ان کے درمیان انھی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرے، انھیں پاک صاف بنائے اور انھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے، جبکہ یہ لوگ اس سے پہلے یقینا کھلی گمراہی میں مبتلا تھے“۔ (آلِ عمران: ۱۶۴) اس آیت مبارکہ میں نبی کریم ﷺ کے تین فرائض منصبی بیان کیے ہیں۔ ان میں پہلا کام تلاوتِ آیات ہے، دوسرا کام تزکیۂ نفوس، اور تیسرا کام کتاب و حکمت کی تعلیم دینا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے بہترین انداز اور اعلی ترین سطح پر یہ فرائض نہ صرف خود انجام دیے بلکہ اپنے صحابہ میں سے ایسے شاگرد تیار کیے جو انھی کاموں کے ماہر بنے۔ یہ وارثین علوم نبوت تھے۔ ان میں سب سے پہلے صحابہ کرام ﷺ تھے جو

آپ ﷺ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد آپ کے سیاسی اور علمی خلفا اور جانشین بنے۔ اس کے بعد تابعین پھر اتباع تابعین اور اس کے بعد ہر دور اور ہر نسل میں یہ وارثینِ علوم نبوت پیدا ہوتے رہے جو اپنے پچھلوں سے دین حاصل کرتے اور اگلوں کو منتقل کرتے رہے اور آپ ﷺ کی نیابت کرتے ہوئے، آپ ﷺ کی طرف سے فرائض نبوت کو ادا کرتے رہے۔ پھر فرائض نبوت کے تین اساسی کاموں کو تین بنیادی شعبوں میں تقسیم کیا گیا اور ان تین کاموں کی حفاظت کے لیے ایک، ایک عنوان تجویز کیا تاکہ اس کے علم کی حفاظت کی جاسکے۔ پھر ان شعبوں کے مراکز بھی وجود میں آگئے تاکہ یہ تین کام منظم انداز میں ہوتے رہیں اور امت صراط مستقیم پر قائم رہے۔

ان اداروں اور ان کے مراکز کا قیام اصل میں نعمت دین کی حفاظت کا ایک خدائی انتظام ہے۔ لیکن اس کی تفصیل میں جانے سے پہلے اس کی ضرورت کو سمجھ لیں۔ مثال کے طور پر گھر کا سودا سلف لینا ہے تو لسٹ بنانے سے بھی اہم تر یہ فیصلہ ہوتا ہے کہ میں نے سودا لینا کہاں سے ہے کس دکان سے سودا، اچھا ملتا ہے۔

چنانچہ ضرورت ہے کہ جدید تعلیم یافتہ نوجوان کو بتایا جائے کہ دین کہاں سے ملے گا۔ اگر آج قوم کے نوجواں کو اجمالی طور پر صحیح شے کے حصول کا پتا سمجھا دیا جائے تو ان شاءاللہ بہت مفید ثابت ہو گا۔ بڑے ظلم اور خسارے کی بات ہے کہ ہمارے ان نوجوانوں کو غلط راستہ بتایا جا رہا ہے۔ دین کا ماخذ غلط بتایا جا رہا ہے۔ آج دین کے صحیح ماخذات کی طرف رہنمائی کرنا بہت ضروری ہے اور ایسا کہنے میں کسی حجاب اور پردے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ اگر خدانخواستہ یہ نہ کہا جائے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ اس وقت جتنے فکری اور عملی فتنے ہیں یہ آگے بڑھ کر ہمارے معاشروں سے حقیقی دین کو نابود نہ کر دیں۔ دیکھیے دین تو اللہ کا ہے، باقی رہے گا۔ مگر ڈر اس بات کا ہے کہ کہیں یہ نعمت ہم سے نہ چھن جائے۔

ہم کہہ یہ رہے تھے کہ نبی کریم ﷺ کے بنیادی فرائض تھے اور ان سے تین شعبے وجود میں آئے۔ ان تین کاموں کے لیے، تین ادارے وجود میں آئے۔ ان کاموں میں پہلا کام تلاوتِ آیات ہے، اس کے لیے مسجد کا مقام اور ادارہ ہے۔ مسجد میں کیا ہوتا ہے؟ صبح و شام اور اطرافِ نہار میں قرآن حکیم پڑھ کر سنایا جاتا ہے۔ دوسرا کام تزکیۂ نفس کا ہے، اس کے لیے خانقاہ کا ادارہ وجود میں آیا اور صدرِ اول سے آیا یعنی ان سب کا وجود قرون اولیٰ میں بھی پایا جاتا تھا۔ سیرت اس بات پر شاہد ہے۔ تلاوت آیات کا مقام تو مسجد نبوی ہے اور ان کاموں سے پہلے ایک کام شروع ہو

چکا تھا جس کام کو آپ ﷺ غارِ حرا میں جا کر کیا کرتے تھے۔ غار حرا میں جناب نبی کریم ﷺ کو باطن کی طرف متوجہ کیا گیا۔ اسی طرح دارِ راقم کا معاملہ ہے، یہ خانقاہ کی اصل ہے۔ پھر اس کے بعد حلال و حرام کے فرق اور کتاب و حکمت کی تعلیم کے لیے مدرسے کا مقام ہے۔ ایک اور بات جس کا پیش نظر رہنا فائدے سے خالی نہیں ہے کہ مجرد تلاوت (بغیر سمجھے تلاوت) اس کی بھی ایک تاثیر ہے۔ یہ گویا ہل چلانے والا کام ہے۔ اس سے دل کی زمین ہموار ہو جائے گی اور اب کہہ لیجیے کہ مفید عناصر کو برقرار رکھنا ہے اور مضر عناصر کو نکالنا ہے، یہ تزکیہ نفس ہے۔ پھر اس کے بعد حلال و حرام کے احکام کے ذریعے سے بیج بونا ہے، اس بیج سے فصل پک کر تیار ہو جاتی ہے۔ بندۂ مومن تیار ہوتا ہے۔ بہر حال مسجد، خانقاہ، اور مدرسہ یہ وہ تین مقامات ہیں جہاں مذکورہ بالا تین کام (فرائض نبوت) شروع وقت اسلام سے سرانجام دیئے جا رہے ہیں اور ان شاء اللہ تا قیامِ قیامت انھی جگہوں سے صحیح دین پھیلتا رہے گا۔

میں عرض کر رہا تھا کہ پتا درست ہونا چاہیے کہ کہاں سے دین لینا ہے، تو آج خدا کے لیے خود بھی ہم اپنا قبلہ درست کریں اور اپنی اولاد کے لیے، اپنے متعلقین کے لیے اور اپنی آنے والی نسل کے لیے اس کا اہتمام کریں اور یہ بتائیں کہ دین کہاں سے ملتا ہے؟ چنانچہ مسجد سے، خانقاہ سے، اور مدرسے سے تعلق مضبوط کریں تاکہ اللہ کی معرفت اور ولایت حاصل ہو نیز احکاماتِ شریعت سیکھے جا سکیں اور حلال و حرام کا علم حاصل ہو۔ اپنی اولاد کے لیے اس تربیت کا انتظام ہو کہ اسے بتایا جائے کہ امام مسجد کا ایک مقام و مرتبہ ہے۔ چاہیے کہ اولاد کو لے کر جائیں اور اس کا ایک تعارف کروائیں۔ چونکہ ہماری نظر میں دنیا کی اہمیت زیادہ ہے لہذا دنیا داری کی چیزیں تو ہم سکھاتے ہیں کہ آج آنکھ بند ہو گئی تو اولاد کو یہ پتا ہونا چاہیے کہ فلاں بینک میں ابا جی کا اکاؤنٹ ہے۔ ہر تفصیل سے آگاہ کیا جاتا ہے، یہ تک بتاتے ہیں کہ اچھا سودا سلف کہاں سے ملتا ہے اور فلاں دکان دار کم تولتا ہے اور فلاں جگہ دودھ خالص دستیاب ہے۔ دنیا کے سارے معاملات تو سکھا دیے مگر کیا یہ بھی بتایا ہے کہ دین کہاں سے سیکھا جاتا ہے؟ کیا یہ سکھایا کہ کسی عالم سے سوال کیسے کیا جاتا ہے؟ استفتا کا ادب کیا ہے؟ اس پر غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے اور اپنے گریبان میں جھانکنے کی ضرورت ہے۔ آج تو مسئلہ یہ ہے کہ خود سے ریسرچ کے نام پر لگے ہوئے ہیں۔ دین پر ریسرچ کی جا رہی ہے۔ جو کچھ ٹیڑھی میڑھی کتابیں، اور جو کاٹھ کباڑ مل گیا اس کو ایک آدمی پڑھے جا رہا ہے اور سمجھ رہا ہے کہ میں دین پر ریسرچ کر رہا ہوں۔ (نعوذ باللہ)

انٹرنیٹ، موبائل اور کمپیوٹر ایپس اور سوشل میڈیا سے دین اخذ کر رہے ہیں۔ حالانکہ ان چیزوں کو ذریعہ اور آلہ بنانا تھا۔ لیکن اس سے پہلے یہ تو معلوم ہو کہ سامنے کون ہے؟ کوئی واقعی ایسی شخصیت یا ادارہ ہے جس سے دین اخذ کیا جا سکتا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ صرف اسکرین پر ہی پایا جاتا ہے، اس سے پیچھے اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ اس پہلو سے بھی غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ یوٹیوب، فیس بک اور دیگر سوشل میڈیا کی چیزیں صرف ذرائع ابلاغ عامہ ہیں اور انھیں ذریعہ ہی بننا چاہیے یہ اپنی اصل میں دین کا ماخذ نہیں ہیں۔ آج کی جدید ٹیکنالوجی کو محض ذریعہ ہونا چاہیے۔ آدمی کو معلوم ہو کہ اس آلات کی دوسری طرف جو بیٹھا ہوا ہے وہ کون ہے؟ ان صاحب کی علمی اسناد کیا ہیں؟ کیا بات کرنے کے اہل بھی ہیں کہ نہیں۔ میں کہاں سے کیا بات لے رہا ہوں؟ کون سی کتاب پڑھ رہا ہوں؟ کس کی بات سن رہا ہوں؟ یہ واضح ہونا چاہیے۔ تو پہلی بات یہ کہ ماخذ تو صحیح ہو۔ اللہ نے تو بتایا ہے قرآن حکیم میں کہ دین کہاں سے حاصل ہو گا؟ ﴿بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ﴾ "حقیقت تو یہ ہے کہ یہ قرآن ایسی نشانیوں کا مجموعہ ہے جو ان لوگوں کے سینوں میں بالکل واضح ہیں جنھیں علم عطا کیا گیا ہے"۔ (عنکبوت:۵۰) یہ نشانیاں، کتابوں میں نہیں ہیں۔ یہ اسکرین پر نہیں بلکہ یہ اہل علم کے سینوں میں ہے۔ چنانچہ پہلے اس سینے سے ربط پیدا ہو اور پھر دوری کی مجبوری کو ختم کرنے کے لیے کسی میڈیا کا سہارا لیا جائے تو ٹھیک ہے۔ دین کے خالص ماخذات کا صحیح علم ہو گا تو حقیقی دین حاصل ہو گا۔ ورنہ دین کے نام پر گمراہی سمیٹے جائے گا۔ لہذا ہمیں پنج وقتہ نماز کے لیے مسجد سے جڑنا ہے۔ مسجد سے محبت ہونا ضروری ہے اور اس بات کا واضح ہونا بھی اشد ضروری ہے کہ ان شاء اللہ صحیح دین منبر و محراب سے تا قیام قیامت بیان ہوتا رہے گا اس کی حفاظت اللہ نے کر دی ہے۔

جسم کے امراض میں تو اتنا معلوم ہے کہ فلاں مرض کے لیے فلاں اسپیشلسٹ کے پاس جانا ہے مگر روحانی امراض سے متعلق علم ہی نہیں ہے۔ جاننا چاہیے کہ روح کو بھی امراض لاحق ہوتے ہیں، باطن بھی بیمار ہو جایا کرتا ہے جس کے بعد یہ چلتا پھرتا انسان، انسان نہیں رہتا بلکہ یہ اس روح کا مقبرہ بن جاتا جو اللہ نے اس کے اندر اپنی امانت رکھی تھی۔ گویا روح مٹی کے اس جسم میں دفن ہو چکی ہے۔

بہت بدقسمتی کی بات ہے کہ معلوم ہی نہیں کہ اللہ کی محبت کیا چیز ہے؟ اور باطن کو گندگی اور آلائش سے کیسے پاک کیا

جاتا ہے ؟اس کے ماہرین کون ہوتے ہیں ؟ضرورت اس بات کی ہے کہ ان امور کے ماہرین تلاش کیے جائیں اور ان سے جا کر اللہ کا نام سیکھا جائے۔دیکھیے اس دل کو اللہ نے اپنی یاد کے لیے پیدا کیا ہے۔اب اس دل کو غذا فراہم کرنا ہماری ذمے داری ہے۔اس کی کچھ محنت ہے جو سیکھنی چاہیے۔صحیح محنت سیکھنے کے لیے درست مقام کی تلاش کرنا ہوگی یہ نہیں کہ بس تصوف کے نام پر جو کچھ دو نمبر کام اس معاشرے میں ہو رہے ہیں جو بگاڑ رائج ہیں انھی میں مگن ہو جائیں اور یہ بھی مناسب نہیں کہ جعلسازوں کو دیکھ کر اصلاح باطن اور اس کے ماہرین و مراکز ہی سے دور بھاگ جائیں۔جب دنیا کی ضرورت کے لیے کھرے اور کھوٹے کا فرق معلوم کرنے کی تگ و دو کرتے ہیں تو دینی ضرورت کا جب احساس ہو جائے تو اس کے لیے بھی بھاگ دوڑ کرتے ہوئے اس میدان کے کھرے اور کھوٹے کا فرق اور مراکز و ماہرین تلاش کرنے چاہییں۔

آج بڑی بد قسمتی کی بات ہے کہ ان مسلمات کے خلاف جوامت میں اجماعی چلے آرہے ہیں ان سے متعلق بحث ہو رہی ہے کہ یہ درست نہیں۔یہ کیسے ہوا؟صد افسوس کیسی ناقدری ہے !یہ ہے وہ ناشکری جس پر نعمت چھن جاتی ہے۔ایک اور بات جس کا معلوم ہونا ہمارے لیے بہت ضروری ہے وہ یہ کہ اگرچہ اس بات کا احساس ہمیں نہ ہو کہ ان مذکورہ اداروں کی کیا اہمیت ہے مگر ہمارے دشمنوں کو معلوم ہے۔اس کی ایک تاریخی مثال خلافت عثمانیہ کے خاتمے کے وقت ہونے والے معاہدے کی ہے۔اس معاہدے کے تحت باقاعدہ ترکی سے ایک مطالبہ کیا گیا کہ اگر تم باقی رہنا چاہتے ہو تو ان تین اداروں مسجد ،مدرسہ ،اور خانقاہ کو ختم کرو۔چنانچہ عملاً اتاترک کو یہ کرنا پڑا کہ بعض مساجد کو اس نے ویران کیا اور کھرچ کر ان سے ساری علامات ہٹائیں اور بینچ لگا کر چرچ کی مانند اسے ایک آڈیٹوریم کی صورت دینے کی کوشش کی۔آج بھی اس کی باقیات وہاں دیکھی جا سکتی ہیں۔اگرچہ اتاترک بڑے پیمانے پر ایسا نہ کر سکا مگر کچھ نہ کچھ چھیڑ چھاڑ کرتا رہا تا کہ بات بن جائے۔اسی سلسلے میں وہاں خانقاہوں کو ویران کیا گیا اور انھیں قید خانوں میں تبدیل کیا گیا۔مدرسوں کو اصطبل بنایا گیا تا کہ اتحادی فوجیوں سے جان چھوٹے۔اب الحمدللہ یہ ادارے تبدیل ہو کر واپس اپنی اصل پر جا رہے ہیں۔بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ہمارے دشمن کو ہماری جڑ،بنیاد کا علم ہے اگرچہ ہمیں نہیں پتا۔اور دیکھیے کہ پھر جب یہ تین کام منظم ہوتے ہیں جب مسجد سے مسلمان کا تعلق مستحکم ہو جائے تو یہ بہت سی خیر کا سبب ہوا کرتا ہے۔ایک بستی پر جب اللہ کی رحمت اترتی ہے تو مسجد پر اترتی ہے اور وہاں سے پھر تقسیم ہو کر نیک لوگوں کے دلوں پر برستی ہے۔لہذا پہلا تقاضا یہ کہ مسجد سے مضبوط تعلق

قائم کیا جائے۔ اسی طرح مدرسہ ہے یہاں سے علم سیکھیں اور خانقاہ سے حلم سیکھیں۔ پھر جب ان تین مقامات سے تعلق مضبوط ہو گا اور نتیجے کے طور پہ ان تین کاموں میں مہارت حاصل ہو گی جو کہ فرائض نبوت ہیں تو پھر ایک قوت پیدا ہو گی جس کو جہاد کہتے ہیں۔ خالص اللہ کے راستے کا جہاد ان تینوں کے مستحکم ہونے سے پیدا ہونے والی قوت کا نام ہے۔ اور جب یہ قوت پیدا ہوتی ہے تو اللہ سبحانہ و تعالی اپنی نصرت خلافت کی چھتری کے طور پر اور ایک گنبد کے طور پر ان تین ستونوں (مسجد، مدرسہ، اور خانقاہ) پر رکھ دیتے ہیں۔ یہ اللہ کی نعمت، انعام ہے۔ مسلمانوں کی تاریخ کا مطالعہ کر لیجیے آپ کو مرکزی حیثیت ان تین مقامات اور ان سے ہونے والے کاموں کی نظر آئے گی۔ آپ ﷺ کی پوری سیرت ان تین کاموں کے گرد گھوم رہی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعلیم و تربیت انھی مراکز سے ہوئی اور جب صحابہ کرام کے اندر یہ تین چیزیں جاگزیں ہو گئیں تو وہ قوت پیدا ہوئی جو اللہ کے راستے کا مجاہدہ تھا، جہاد فی سبیل اللہ۔ پھر اللہ سبحانہ و تعالی کی نصرت آئی اور اللہ نے غلبہ عطا فرمایا جس سے دنیا میں بھی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں۔

مسلمانان پاکستان سے بھی تقاضا ہے اس بات کا کہ شکر گذاری کریں کہ اللہ نے جتنی نعمتیں آج پاکستان کو دے رکھی ہیں اور جتنی مذہبی آزادی اس وطن عزیز کو حاصل ہے دنیا میں کہیں نہیں ہے۔ بڑے تجربہ کار لوگوں سے سن لیجیے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم سے سن لیجیے آپ نے دنیا کا شرق، غرب دیکھ رکھا ہے۔ شمال و جنوب سے واقف ہیں اور اسلام کی تاریخ اور حالات اور علومِ قرآن و سنت سے واقفیت اور اسلام کے حالات سے واقفیت اور قرآن و سنت کے علوم سے جتنی واقفیت رکھتے ہیں یہ انھیں وقت کے علمائے کرام میں ممتاز بناتی ہے۔ وہ اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ جتنی مذہبی آزادی پاکستان کے مدارس کو، اور علمائے کرام کو حاصل ہے دنیا میں کہیں حاصل نہیں ہے۔ تو یہ ایک نعمت ہے جس پر شکر کرنا ہے۔ آج گالیاں دینے اور نعرے لگانے اور مخالفانہ باتیں کرنے اور مختلف قسم کی جماعتوں میں جماعت در جماعت تقسیم ہونے کا رواج ہے حالانکہ اس سے کچھ فائدہ نہیں ہو گا، آج اس نعمت پر جو ہمیں حاصل ہے شکر کریں اور محنت کریں اس کے تقاضے ادا کریں تو پھر وہ بھی حاصل ہو جائے گا جو آج حاصل نہیں ہے۔ علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”شکر؛ موجود کو باقی رکھنے اور جو موجود نہیں ہے اس کو شکار کرنے کا ایک ذریعہ ہے“۔ کیونکہ اللہ کا وعدہ ہے کہ اگر تم شکر گزاری کی روش اختیار کرو گے اللہ تعالی تمھاری نعمتوں میں

اضافہ کردیں گے۔ آج ہم چاہتے ہیں کہ مملکت خداداد پاکستان واقعتاً اسلام کا قلعہ بن جائے اور یہاں دین کی بہاریں عام ہوجائیں، ہر شعبۂ زندگی میں، ہر گوشے میں اسلام کی عمل داری ہوجائے تو پھر اس کا تقاضا یہ ہے کہ جتنی نعمت حاصل ہے اس پر شکر کریں اور محنت کرتے رہیں نتیجہ میں وہ بھی ملے گا جو موجود نہیں ہے۔

محنت کا سارا مدار وہی ہے کہ مسجد، مدرسہ اور خانقاہ سے تعلق مضبوط کرلیں اس سے اولاً افراد اسلام کے دائرے میں ڈھل جائیں گے اور پھر ان افراد سے بننے والے معاشرے بھی اسلام کا قلعہ بن جائیں گے۔ جو دوسرے علاقوں کے مظلوم و مقہور مسلمانوں کی داد رسی کرسکیں گے۔(ان شاء اللہ)۔ آج جو کچھ فلسطین میں ہو رہا ہے، ہمارے دل دکھتے ہیں اس سے اس وقت ہر مسلمان کا دل زخمی ہے، خون کے آنسو رو رہا ہے اس قدر دل دکھی ہے کہ بعض اوقات معلوم ہوتا ہے کہ شاید یوں زمین کے اوپر رہنے سے زمین کے اندر چلے جانا بہتر ہوتا۔ کیا زمانہ ہے جو ہم دیکھ رہے ہیں! کس قدر بے بسی ہے۔ پھر وہی دو راستے پیدا ہوجاتے ہیں، ایک جانب تشدد اور دوسری جانب غلو، یہ وہی گمراہی کے دو طریق ہیں جو سورۃ الفاتحہ میں ذکر کیے گئے تھے۔ جبکہ ہمیں اس افراط و تفریط سے بچتے ہوئے نبی کریم ﷺ، صحابہ کرام اور صالحین امت کا راستہ اختیار کرنا چاہیے جس کے تین سنگ ہائے میل اوپر بیان ہوچکے۔

لہذا چاہیے کہ شکر کریں ان شاء اللہ اس سے ہمارے احوال بدلیں گے تو امت کے احوال بدلیں گے۔ ہمارے اعمال درست ہوجائیں تو ہمارے حکمران بھی درست ہوجائیں گے یہ نبوی حکمت ہے۔ اللہ ہمیں اس کے موافق عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ وہ جو تین ادارے جن کا ذکر ہوَ، خود اپنے لیے بھی اور اپنے بچوں کے لیے بھی ان سے واقفیت حاصل کریں کہ آج آنکھ بند ہوجائے تو اولاد کو پتا ہو کہ میں اس مسجد میں والد صاحب کے ساتھ جاتا تھا، یہ صحیح لوگ ہیں یہاں سے مجھے نمازوں میں جڑنا ہے، یہاں سے پوچھ سکتا ہوں حلال کیا ہے حرام کیا ہے؟ اور جو بتایا جائے گا عمل کروں گا۔ آپ یقین جانیں کہ اگر ہم نے ایسا نہ کیا اور کوئی گھڑی گمراہی کا راستہ کھل گیا۔ تو لوگ قادیانیت بھی قبول کرلیتے ہیں۔ اسلام کے دائرے سے نکل جاتے ہیں کیونکہ گمراہی کا راستہ نیچے ہی کی طرف جاتا ہے اس لیے اپنے ماحول کو مضبوط کریں خالص ماخذ کو پکڑیں ان شاء اللہ حفاظت ہوجائے گی۔

بار بار حج کرنے والوں کے نام

محمد ایاز

مختلف طبقوں کی جانب سے ہر سال قربانی، حج اور پے در پے عمروں پر اعتراضات کیے جاتے ہیں، شعائرِ دینی کا مذاق اڑایا جاتا ہے اور اس کے لیے مختلف دلائل دیے جاتے ہیں۔ بہت سے مخلص لیکن سادہ لوح مسلمان بھی لاعلمی کی بنیاد پر ان لوگوں سے اثر لیتے ہوئے، انھی جیسی گفتگو کر کے احکامِ شرعیہ کی اہانت کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔ انھی مخلص مسلمانوں کو اس اثرِ بد سے بچانے کے لیے یہ مضمون ترتیب دیا جا رہا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے ایک رسالے میں ''بار بار حج کرنے والوں کے نام'' کے عنوان سے ایک مضمون شایع ہوا جس میں بار بار حج کرنے والوں کی بعض برائیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، مثلاً والدین کی اجازت کے بغیر حج کے لیے نکلنا، یا دکھاوے اور شہرت پسندی کے لیے حج کرنا یا مالِ حرام سے حج کرنا وغیرہ، پہلی صورت کو الگ کرتے ہوئے سوچیں تو دیگر تمام عیوب پہلی دفعہ حج کرنے والوں کے لیے بھی ممنوع ہیں یعنی حج فرض ہو یا نفل؛ مالِ حرام یا ریا سے کرنا تو بہر حال ناجائز ہی ہے، تو اب عنوان ''بار بار حج کرنے والوں'' کے بجائے ''حج کرنے والوں کے نام'' ہونا چاہیے تھا، بار بار کے تذکرے سے تاثر یہ ملتا ہے کہ حج صرف ایک ہی کرنا چاہیے اور بس! بظاہر لگتا ہے کہ مضمون نگار نے ''ریا'' اور ''مالِ حرام'' کی آڑ میں تجدد زدہ اور مغرب گزیدہ طبقے کے موقف کی ترجمانی کی ہے یعنی یہ موقف کہ '' حج ایک بار کرنا فرض ہے، بار بار حج کرنا پیسے کا ضیاع ہے، نفلی حج سے بہتر ہے کہ مساکین میں یہ رقم تقسیم کر دی جائے''۔ مضمون میں مثبت طور سے تکرارِ حج کا تذکرہ سرے سے نہیں کیا گیا ہے حالانکہ یہ شریعت کا ایک مستقل موضوع ہے جس پر کئی احادیث روشنی ڈالتی ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ حج زندگی میں ایک بار فرض ہے اور دوسری بار حج کرنا منع نہیں ہے۔ اس کی دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے ہمیں خطبہ دے کر فرمایا: ''اے لوگو! اللہ نے تم پر حج فرض کیا ہے، (لہٰذا) تم حج کرو''۔ ایک آدمی نے کہا: '' کیا ہر سال اے اللہ کے رسول؟'' آپ ﷺ خاموش ہو گئے، اس نے تین بار سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں ہاں کہتا تو (ہر سال حج) تم پر واجب ہو جاتا اور تم اس کی استطاعت نہ رکھتے'' (صحیح مسلم) چونکہ سائل کا سوال فرضیت کے متعلق تھا تو آپ ﷺ نے فرضیت کا انکار کیا لیکن ہر سال حج کرنے

سے روکا بھی نہیں تو اس حدیث سے معلوم ہوا ہے کہ حج زندگی میں ایک بار فرض ہے اور اس کے بعد اگر کوئی تکرار کرنا چاہے تو وہ منع نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہ فرض حج کے بعد مزید حج کرنا نہ صرف یہ کہ منع نہیں بلکہ نفل ہے۔ مندرجہ بالا حدیث کی ایک روایت کے مطابق آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے یہ بھی فرمایا((وَلَوْ وَجَبَتْ لَمْ تَعْمَلُوا بِهَا وَلَمْ تَسْتَطِيعُوا وَالْحَجُّ مَرَّةٌ فَمَنْ زَادَ فَتَطَوُّعٌ))(مسند احمد ،سنن نَسائي)" اگر ہر سال حج کرنا فرض ہوتا تو تم اس حکم پر عمل نہ کرتے اور نہ ہی تم اس کی طاقت رکھتے پس حج زندگی میں ایک بار ہی ہے اور جو کوئی اس پر اضافہ (تکرار) کرے تو یہ نفل ہے"۔ان روایات کی روشنی میں علماے فقہ کا اجماع ہے کہ زندگی میں ایک بار حج کرنا فرض ہے اور اس کے بعد جو حج بھی کیا جائے وہ نفل ہے۔چناں چہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے متعدّد بار نفلی حج کی ترغیب دلائی ہے ۔ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:((تَابِعُوا بَيْنَ الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ، فَإِنَّهُمَا يَنْفِيَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوبَ كَمَا يَنْفِي الْكِيرُ خَبَثَ الْحَدِيدِ))(سنن نسائي) "حج اور عمرہ بار بار کیا کرو، بے شک یہ دونوں غربت اور گناہوں کو دور کردیتے ہیں جیسا کہ بھٹی؛ لوہے، سونے اور چاندی کے زنگ کو دور کردیتی ہے"۔یہ روایت حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت عمر فاروق، حضرت ابوہریرہ، حضرت عبد اللہ ابن عمر اور حضرت علی اور عامر بن ربیعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بھی مروی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ اضافہ ہے:وَلَيْسَ لِلْحَجِّ الْمَبْرُورِ ثَوَابٌ دُونَ الْجَنَّةِ(سنن نَسائي)"حج مبرور کا بدلہ سوائے جنت کے کچھ بھی نہیں، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں((أدِيموا الحَجَّ والعُمْرَةَ))(جمع الجوامع)کے الفاظ آئے ہیں کہ حج اور عمرے پر مداومت اختیار کرو۔ایک حدیث میں پانچ سال کے بعد دوبارہ حج نہ کرنے پر وعید سنائی گئی ہے۔ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:((إنَّ عبدًا أصحَحتُ لهُ جسمَهُ، ووسَّعتُ عليهِ في مَعيشتِهِ ، تمضي عليهِ خمسةُ أعوامٍ لا يَفِدُ إليَّ لمَحرومٌ))(رواه أبويعلىٰ و البيهقي وابن حبان)"بے شک وہ بندہ جس کو میں نے صحت دے دی، اس کو مالی فراخی سے نوازا، (پھر) اس پر پانچ سال گزر جائیں اور وہ میری طرف کوچ نہ کرے (حج نہ کرے) وہ محروم ہے"۔ ملا علی قاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حج کرنے کی استطاعت رکھنے والے کو چاہیے کہ پانچ سال میں ایک بار حج کرنا نہ

چھوڑے، جیسا کہ ابن حبان علیہ الرحمہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے"۔ یہ تو بطور خاص حج یا عمرے کی فضیلت کا بیان تھا لیکن دین کی عمومی تعلیمات میں بھی نفل عبادات کی بہت ترغیب دی گئی ہے اور ظاہر ہے کثرت نوافل میں نفلی حج اور عمرہ بھی داخل ہے۔ ایک حدیث قدسی کے مطابق اللہ تعالی فرماتے ہیں:((وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ))(صحيح بخاري)"بندہ جن چیزوں سے میرا تقرب حاصل کرتا ہے ان میں مجھے سب سے زیادہ پسند وہ چیزیں ہیں جو میں نے اس پر فرض کی ہیں اور بندہ (فرض کے ساتھ ساتھ) نوافل کے ذریعے میں تقرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں..."۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:((إن أولَّ ما يُحاسَبُ النّاسُ به يومَ القيامةِ مِنْ أعمالِهم الصلاةُ قال يَقولُ ربُّنا جَلّ و عَزّ لِمَلَائِكَتِهِ وهوأعْلَمُ اُنْظُروا في صلاةِ عَبْدي أَتَمَّها أَمْ نَقَصَها فإنْ كانَتْ تامّةً كُتِبَتْ له تامّةٌ وإنْ كانَ انْتَقَصَ منها شيئًا قال اُنْظُروا هلْ لِعبْدي مِنْ تَطَوُّعٍ فإنْ كانَ له تطوعٌ قال أَتِمّوا لعبدي فريضَتَه مِنْ تَطَوِّعِه ثُمّ تُوْخَذُ الأعمالُ على ذَاكم))(سنن أبي داود)"قیامت کے دن تمام اعمال میں سب سے پہلے نماز کے متعلق سوال ہوگا، تو ہمارا پروردگار فرشتوں سے فرمائے گا، حالانکہ وہ خوب جانتا ہے، دیکھو! میرے بندے کی نماز کامل ہے یا ناقص؟ اگر وہ کامل ہوگی تو کامل ہی لکھ دی جائے گی۔ (یعنی اس کا ثواب پورا لکھا جائے گا) اگر اس میں کچھ کمی رہ گئی ہوگی تو اللہ فرشتوں سے فرمائے گا دیکھو میرے بندے کے پاس نفل بھی ہے؟ اگر نفل ہوں گے تو اللہ فرمائے گا: میرے بندے کے فرائض کی کمی اس کے نوافل سے پوری کر دو۔ اور پھر تمام اعمال کا حساب اس طرح لیا جائے گا۔ (یعنی فرض کی کوتاہی کو نفل سے پورا کیا جائے گا)۔ مذکورہ حدیث سے پتا چلتا ہے، کہ حج سمیت کسی بھی نفل عبادت کی بندے کی جہنم سے نجات میں بڑی اہمیت ہے، اس لیے اسے کمتر اور حقیر نہیں سمجھنا چاہیے، اور جہاں تک ہوسکے ان کی ادائی کا اہتمام کرنا چاہیے۔ ہم میں سے کون دعویٰ کر سکتا ہے کہ وہ فرائض رب ذوالجلال کی مرضی کے شایان شان ادا کر سکتا ہے؟ ظاہر ہے کسی کا یہ دعوی نہیں نہیں بلکہ کوشش کے باوجود کمی کوتاہی رہ ہی جاتی ہے۔ ایسی ہی کوتاہیوں کی تلافی کے لیے نوافل کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ لہذا ہمیں ترک نوافل کے لیے بہانے ڈھونڈنے کی بجائے اس کی ترغیب دینی چاہیے۔

بیت المقدس کا تاریخی خاکہ (۱)

صوفی جمیل الرحمٰن عباسی

ظلمت کدۂ جہاں، میں جہاں کہیں کچھ روشنی ہے وہ نور الٰہی ہی سے مستفاد ہے۔ یہی وہ نور ہے جو زمین و آسمان میں ہر شے کو منور کیے ہوئے ہے:﴿اللهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ " اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا" یہی وہ نور معرفت و ہدایت ہے جو بندۂ مومن کے قلب میں شمع فروزاں کی مانند جگمگاتا ہے:﴿مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ﴾ "اس کے نور کی مثال جیسے ایک طاق میں چراغ" روے ارض پر اس نورِ عرفان و ایقان کی بھٹیاں وہ مساجد ہیں جنھیں اللہ تعالی نے بلند کرنے کا حکم دیا ہے:﴿فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ﴾ (النور:۳٦)"ان گھروں میں جنھیں اللہ نے بلند کرنے کا حکم کیا، جن میں اس کے نام کا ذکر کیا جاتا ہے اور صبح و شام اس کی پاکی بیان کی جاتی ہے"۔

اہلِ مغرب کے مغالطوں کو الگ رکھیے تو انسانیت نے آنکھ کھولی ہی اسلام کی آغوش میں ہے، چنانچہ ابتدا ہی سے اسے نور ہدایت کے منبع و مصدر یعنی مسجد کی ضرورت پڑتی ہے تو" بت کدۂ دنیا میں پہلا وہ گھر خدا کا" کے مصداق بیت اللہ شریف کو پہلا گھر ہونے کا اعزاز حاصل ہوتا ہے:﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ﴾ (آل عمران:۹٦)" بے شک لوگوں کے لیے جو پہلا گھر بنایا گیا تھا وہ جو مکہ میں تھا، برکت والی اور تمام جہان والوں کے ہدایت کا مرکز،، بیت اللہ شریف کی اسی قدامت کے سبب اسے بیتِ عتیق کا نام بھی دیا گیا ہے۔ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ پوچھتے ہیں:"یارسول اللہ! یہ بتائیے کہ زمین پر سب سے پہلی مسجد کون سی بنائی گئ؟، آپ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پہلے مسجد الحرام کو بنایا گیا۔ انھوں نے پوچھا: یارسول اللہ! اس کے بعد کون سی مسجد بنائی گئ؟ فرمایا: اس کے بعد مسجدِ اقصی بنائی گئ، آپ نے پوچھا: یارسول اللہ! ان کے درمیان کتنا فصل ہے؟ فرمایا: چالیس سال"۔(صحیح مسلم) یہ تقریبًا دو ہزار سال قبل مسیح کا دور ہے۔ ملک بابل میں کفر و شرک کے اندھیرے چھائے ہوئے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی علاقے میں جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ آپ مشرکانہ ماحول میں ایک عرصے تک توحید کا پرچم بلند کیے رہے۔

جب شاہِ وقت آپ کی جان کے درپے ہوگیا تو آپ نے اللہ کے حکم سے ارضِ مبارک کی طرف ہجرت فرمائی، اس وقت آپ کے ساتھ حضرت لوط علیہ السلام بھی تھے: ﴿وَنَجَّيْنَاهُ وَلُوطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ﴾ (ہود:۷۱) "اور ہم نے نجات دی انھیں اور لوط کو اس زمین کی طرف جس کو ہم نے جہانوں میں برکت دی تھی"۔ یہ بابرکت علاقہ ارضِ شام ہی تو تھا جیسا کہ سیدنا ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ، امام حسن بصری رحمہ اللہ اور حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں، چنانچہ صاحب تفسیر المنیر شیخ وہبۃ الزحیلی لکھتے ہیں: أيْ مِنَ العِراقِ إلى أَرْضِ فِلِسْطِيْنَ في الشّامِ، التي بارَكَ اللهُ فيها "یعنی انھیں شام میں فلسطین کی طرف پہنچا دیا گیا جس کو اللہ نے برکت دی ہے"۔

ابراہیم علیہ السلام اپنی ذات میں ایک انجمن تھے

﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً﴾ (النحل:۱۲۰) "بے شک ابراہیم علیہ السلام ایک راہ ڈالنے والے تھے"۔ تو پہلے گھر اور دوسرے گھر دونوں کے ساتھ آپ کا گہرا تعلق تھا، بیت اللہ شریف سے بھی اور مسجد اقصی سے بھی، وہ اس طرح کہ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد دو شاخوں میں تقسیم ہوئی۔ بڑے بیٹے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو آپ نے مکہ شریف میں بیت الحرام کے نزدیک آباد کیا اور اسحٰق علیہ السلام کو ارض شام میں آباد کیا۔ نبوت وکتاب، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں اس طرح جاری و ساری ہوئی کہ ان دونوں شاخوں میں منحصر ہوگئی: ﴿وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ﴾ (العنکبوت:۲۷) "اور ہم نے اس کی اولاد میں (منحصر) کر دیا نبوت وکتاب کو"۔ فَكَانَتِ الْأَنبِياءُ كُلُّها بَعْدَ إِبْرَاهِيْمَ مَنْ ذُرِّيَّتِه، وَلَمْ يُوْجَدْ نَبِيٌّ بَعْدَهُ إِلّا وَهُوَ مِنْ سَلاَلَتِه (تفسیر المنیر) "پس ابراہیم علیہ السلام کے بعد تمام نبی آپ کی ذریت میں سے ہوئے اور آپ کے بعد کوئی نبی بھی نہیں پایا گیا مگر آپ کی اولاد میں"۔ بنو اسحٰق میں بہت سارے نبی ہوئے۔ یہی وہ برکت ہے جس سے اللہ نے ارض مقدس کو نوازا، اور یہی وہ بزرگی اور فضیلت ہے جو اولاد ابراہیم کی اسحاقی شاخ پر ہوئی: ﴿يَابَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ﴾ (البقرہ:۴۷) "اے بنی اسرائیل یاد کرو میری وہ نعمت جو میں نے تم پر کی اور میں نے تمھیں فضیلت دی تمام جہان والوں پر"۔ حضرت ابراہیم کے پڑپوتے حضرت یوسف علیہ السلام آزمائشوں سے گزرتے گزرتے مصر جا پہنچے اور جب سرخرو ہوئے تو وہاں

کے خزانوں کے نگہبان ٹھہرائے گئے اور آپ نے اپنے والدین اور بھائیوں اور ان کے اہل و عیال کو مصر میں بلا لیا اس طرح بنی اسرائیل شام سے مصر منتقل ہوئے۔ یوسف علیہ السلام کے بعد جب بنی اسرائیل میں روشن ضمیری نہ رہی تو فراعنہ مصر نے بنی اسرائیل کو غلامی سے دوچار کر کے مبتلائے عذاب کیے رکھا۔

فراعنہ سے آزادی

۱۴۰۰سال قبل مسیح موسیٰ علیہ السلام جن کا راستہ روکنے کے لیے ہزاروں بچوں کو قتل کیا گیا، قاتل اطفال فرعون ہی کے گھر میں جوان ہوتے ہیں۔ اب موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے آزادی ملی تو فرعونیوں کو غرقاب کیا گیا اور فلسطین کی وراثت بنی اسرائیل کو لوٹانے کا اعلان کیا گیا تو اس موقع پر اس زمین کے بابرکت ہونے کا اعلان بھی کیا گیا:﴿وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ بِمَا صَبَرُوا وَدَمَّرْنَا مَاكَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَاكَانُوايَعْرِشُونَ﴾ (الاعراف:۱۳۷) ”اور جن لوگوں کو دبا لیا گیا تھا، ہم نے انھیں وارث بنا دیا اس زمین کے مشرق و مغرب کا جس کو ہم نے بابرکت بنایا تھا اور تیرے رب کا اچھا وعدہ بنی اسرائیل کے حق میں پورا ہوا اس وجہ سے کہ وہ ثابت قدم رہے اور ہم نے تباہ و برباد کر ڈالا وہ سب کچھ جو فرعون اور اس کی قوم (اونچے محلات) بناتے تھے اور (باغات میں انگور کی بیلوں وغیرہ کے لیے چھتریاں) چڑھاتے تھے“۔ لیکن اس خدائی، تکوینی فیصلے کو منصۂ شہود میں لانے کے لیے جہاد کے شرعی حکم دیا گیا کیوں کہ وہاں عمالقہ نے قبضہ جمایا ہوا تھا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ اسلام نے اپنی قوم کو اللہ کے وعدہ نصرت و فتح اور اس سرزمین کے تقدس کی طرف متوجہ کرتے ہوئے، ان سے کہا:﴿يَاقَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللهُ لَكُمْ﴾(المائدۃ:۲۱)”اے میری قوم ارض مقدس میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمھارے لیے لکھ دی ہے“۔ لیکن قوم نے ارض مقدس کی قدر نہیں کی اور جہاد سے اعراض کیا سزا میں چالیس سال تک ارض پاک سے محرومی اور صحرا نوردی لکھ دی گئی۔ اس چالیس سالہ صحرا نوردی کے دوران، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام اللہ کو پیارے ہوئے بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جہاد سے انکار کرنے والے، خوگرانِ غلامی سب فوت ہو چکے۔ اب یہ اللہ کے پیغمبر اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کا دور ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت جہاد پر لبیک کہنے

والے، حضرت کالِب بن یُوفنَا بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ قدس کے مقدس جہاد پہ نکلتے ہیں، کہا جاتا ہے ک ہ ان کے ساتھ آزاد فضاؤں میں جنم لینے والے بندگانِ صحرائی ہی تھے اور فرعون کی غلامی کے مارے پست حوصلہ لوگوں میں سے کوئی آپ کے ساتھ نہ تھا کہ وہ جناب باری میں پیشی کو روانہ ہو چکے تھے۔ فوجیں آمنے سامنے ہوئیں گھمسان کا رن پڑا، شام تک حضرت یوشع علیہ السلام کی فتح کے آثار واضح ہو چلے تھے لیکن سورج پسپا ہو رہا تھا، سورج کو ڈھلتا دیکھ کر حضرت یوشع علیہ السلام نے اسے مخاطب کیاإِنَّكِ مَأْمُورَةٌ وَأَنَا مَأْمُورٌ" تو رب کے حکم طلوع و غروب کا پابند ہے اور میں رب کے حکم جہاد کا پابند ہوں " اور پھر اللہ سے درخواست کی کہ سورج کو روک دیا جائے تاکہ جنگ کسی فیصلہ کن نتیجے پر پہنچ جائے۔ چنانچہ سورج کو روک کر دن لمبا کر دیا گیا۔ حضرت یوشع کو دشمنوں پر کامیابی ملی، مقدس شہر فتح ہوا۔ چنانچہ اس موقع پر بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا:﴿وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ نَغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ﴾ "اور داخل ہو دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے اور کہتے جاؤ بخش دے تو معاف کردیں گے ہم تمھارے قصور اور زیادہ بھی دیں گے نیکی والوں کو "لیکن وہ سر اٹھا کر اور اکڑ کر شہر میں داخل ہوئے اور کلمہ استغفار کے بجائے کچھ اور بکنے لگے چنانچہ﴿فَأَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ﴾ (البقرہ:۵۹)"پھر اتارا ہم نے ظالموں پر عذاب آسمان سے ان کی عدول حکمی پر"۔

بہرحال یوشع بن نون علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی ریاست کو قائم کر دیا جو آپ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی کافی عرصہ قائم رہی۔ پھر اپنی بداعمالیوں کے سبب بنی اسرائیل کمزور ہوئے تو ان کی سلطنت پر زوال کے آثار نظر آنے لگے اور دو اڑھائی سو سال تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ اس عرصے میں مقامی راجوں مہاراجوں نے دوبارہ ان کے علاقوں کو تاراج کیا، ان کے گھربار پر قبضہ کیا اور ان کے بیٹوں کو غلام بنایا۔

گیارھویں صدی قبل مسیح کی ابتدائی دہائیوں میں اللہ کے نبی حضرت سیموئیل علیہ السلام، بنی اسرائیل کے درمیان اصلاحِ احوال میں مصروف تھے۔ بنی اسرایلیوں نے آپ سے درخواست کی کہ کسی کو بادشاہ بنائیں تاکہ اس کی سرکردگی میں جہاد کر کے اپنے گھربار آزاد کرا سکیں۔ حضرت سیموئیل علیہ السلام کو شک تھا کہ عین موقعے پر جیسے انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو صاف جواب دے دیا تھا کہیں اب بھی ایسا ہی نہ کریں لیکن قوم کی طرف سے یقین دہانیوں پر

انھوں نے حضرت طالوت کو بادشاہ بنایا، جسے قدرے قدح کے بعد بنی اسرائیل نے قبول کیا۔ موسی علیہ السلام اور دوسرے انبیاے کرام کے تبرکات پر مشتمل تابوت سکینہ جوان کے دشمن اٹھالے گئے تھے، معجزانہ طور پران کے پاس آگیا تب ان کی جان میں جان آئی اور وہ ڈٹ کر لڑے اور دشمن خدا، جالوت، حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں واصل جہنم ہوا۔ بنی اسرائیل کو فتح نصیب ہوئی جس کے نتیجے میں سارے شام میں ان کی حکومت بن گئی۔ حضرت طالوت نے سنہ ۱۰۲۰ تا ۱۰۰۴ق م، حکومت کی جس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام (سن ۱۰۰۴ تا ۹۶۵ق م) اور حضرت سلیمان علیہ السلام (۹۶۵ تا ۹۲۶ق م) کی حکومتیں قائم رہیں۔ یہ بنی اسرائیل کی تاریخ کا سنہرا دور تھا۔ جب یہاں لحن داؤدی نے جوت جگائی۔ جس کے لیے پہاڑ اور پرندے مسخر کر دیے گئے۔ ان مقدس بادشاہوں کے لیے ہوائیں مسخر کی گئیں۔ قیمتی دھاتوں کے چشمے بہا دیے گئے۔ لوہا نرم کیا گیا۔ زرہ سازی کی صنعتیں قائم کی گئیں۔ بیت المقدس کو آباد کیا گیا۔ سلیمان علیہ السلام نے مسجد بنائی جسے ہیکل سلیمانی کے نام سے جانا گیا۔

حضرت سلیمان (علیہ السلام) کے بعد بنی اسرائیل کی سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ جنوبی فلسطین میں سلطنت یہودیہ قائم ہوئی جس کا پایہ تخت یروشلم بنا جبکہ شمالی فلسطین میں سلطنت اسرائیل قائم ہوئی جس کا دارالحکومت سامریہ طے پایا۔ ریاستی سطح پر باہمی رقابت اور عوامی سطح پر مشرکانہ عقائد اور اخلاقی فساد نے ان کے شیرازے کو بکھیر دیا۔ نویں صدی قبل مسیح سے فلسطین پر اشوری فاتحین کے مسلسل حملے شروع ہو گئے۔ پہلے سلطنت اسرائیل کی باری آئی، ہزار ہا اسرائیلی قتل اور جلاوطن ہوئے۔ سلطنت سامریہ تو ختم ہی ہو گئی البتہ سلطنت یہودیہ نے شکست کھا کر باجگزار بن کر رہنا پسند کیا۔ سنہ ۵۹۸ قبل مسیح میں بابل کے بادشاہ بخت نصر نے یروشلم سمیت پوری یہودی سلطنت پر قبضہ کر لیا۔ سنہ ۵۸۷ قبل مسیح میں ,یہودیوں کی شرارتوں کے نتیجے میں، بخت نصر نے ایک سخت فوجی کاروائی کر کے کئی شہر تباہ و برباد کر دیے، یروشلم اور ہیکل سلیمانی کو پیوند خاک کیا اور یہودیوں کی بہت بڑی تعداد کو جلاوطن کر دیا اور بڑی تعداد کو قیدی بنالیا۔ یہ غلامی کا دور تقریباً نصف صدی پر محیط رہا۔

اب تاریخ ایک اہم موڑ لیتی ہے۔ فارس میں سائرس یا کیخورس یا کیخسرو کا عروج شروع ہوتا ہے یہاں تک کہ اس نے سنہ ۵۳۹ قبل مسیح میں بخت نصر کے داماد نبونید کو شکست دے کر سلطنت بابل پر قبضہ کر لیا۔ کیخورس ایک خدا

ترس بادشاہ تھا جس نے عظیم سلطنت فارس قائم کی۔ بعض اہل علم انھیں ہی ذوالقرنین قرار دیتے ہیں۔ بابل کی فتح کے موقعے پر اس نے قیدی بنائے گئے بنی اسرائیل کو اپنے وطن واپس جانے اور وہاں دوبارہ آباد ہونے کی عام اجازت دی۔ مدتوں یہودیوں کے قافلے پہنچتے رہے۔ انھی لوگوں میں حضرت عزیر علیہ السلام بھی تھے جنہوں نے اصلاح و تجدید کا عظیم کارنامہ سرانجام دیا دعوت و اصلاح کے ساتھ آپ نے تورات کو از سر نو مرتب کیا۔ اسی دور میں ہیکل مقدس اور یروشلم کی شہر پناہ کی تعمیر نو کی گئی۔

۳۳۰ قبل مسیح میں سکندر مقدونی کے ہاتھوں شاہ ایران، دارا یوش کی شکست سے تاریخ نے ایک نیا موڑ لیا۔ یہاں سے یونانیوں کا عروج اور، یہودیوں کے سرپرست، شاہان فارس کا زوال شروع ہوتا ہے۔ جس سے یہودی متاثر ہوتے ہیں۔ ۱۹۸ قبل مسیح میں یونانیوں نے فلسطین پر قبضہ کر لیا اور جبر و تشدد سے یہودی مذہب کو ختم کرنا چاہا لیکن یہودی مغلوب نہ ہوئے بلکہ انھوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور یونانیوں سے آزادی حاصل کر کے اپنی ریاست قائم کر لی۔ یہ مکابی سلطنت کہلاتی ہے جو سن ۶۷ ق م تک قائم رہی۔ جب یہ ریاست کمزور پڑ گئی تو رومیوں نے حملہ کر کے فلسطین پر قبضہ کر لیا۔ لیکن انھوں نے براہ راست حکومت کرنے کے بجائے مقامی لوگوں پر مشتمل ایک ماتحت حکومت قائم کی جو ۶ قبل مسیح تک قائم رہی جس کے بعد قیصر آگسٹس نے فلسطین کو گورنر کے ذریعے اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ اسی دور میں عیسی علیہ السلام دنیا میں تشریف لاتے ہیں۔

عیسی علیہ السلام کی آمد

رومی غلامی کی اس دور میں رحمت الٰہی بنی اسرائیل کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ عفت مآب سیدہ مریم اور حضرت زکریا علیہما السلام کی ریاضتوں اور عبادتوں نے اس سرزمین کی برکت میں اضافہ کیا۔ چنانچہ صاحبہ ولایت و کرامات، سیدہ مریم طاہرہ علیہا السلام کے ہاں بن باپ کے بیٹے "عیسی علیہ السلام" جنم لیتے ہیں جو پنگھوڑے میں اعلان کرتے ہیں: ﴿إِنِّي عَبْدُ اللهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا﴾ (مریم:۳۰) " بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا"۔ لیکن سیدہ مریم علیہا السلام کی پاکدامنی و کرامات بنی اسرائیل کے دل میں گھر نہ کر سکیں انھوں نے سیدہ مریم کی پاکدامنی کا انکار کر کے آپ پر وہ بہتان لگایا جسے قرآن پاک نے " بہتانِ عظیم" قرار دیا۔ حضرت عیسی علیہ السلام کی

پیدائش اور پنگوڑے میں گفتگو کرنا بجائے خود معجزہ تھا لیکن جب آپ علیہ السلام نے دعوت و اصلاح کا، کام شروع کیا تو مزید کئی ایک معجزے آپ کو دیے گئے۔ آپ کی دعوت کے نتیجے میں بنی اسرائیل دو گروہوں میں تقسیم ہوئے: ﴿فَآمَنَتْ طَائِفَةٌ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَكَفَرَتْ طَائِفَةٌ﴾ (الصف:۱۴) "پس بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ آپ پر ایمان لایا اور ایک گروہ نے کفر کیا"۔ ایمان لانے والے تھوڑے سے لوگ تھے جو نصاری یا عیسائی کہلائے اور کفر کرنے والے لوگ ایک عظیم اکثریت پر مشتمل تھے جو یہود کہلائے۔ یہود نے حضرت عیسی علیہ السلام پر گھناؤنے الزامات عائد کیے، آپ پر ایمان لانے سے لوگوں کو روکا اور عیسائیوں پر ظلم و ستم کا بازار گرم کیے رکھا۔ ۳۳ عیسوی میں یہودیوں نے سیدنا عیسی علیہ السلام کے خلاف سازشیں کر کے رومی گورنر کے ذریعے آپ کو پھانسی دینے کی کوشش کی۔ اللہ تعالی نے سیدنا عیسی علیہ السلام کو زندہ سلامت آسمان کی طرف اٹھا لیا لیکن یہ سمجھتے رہے کہ ان کو پھانسی ہوگئی ہے چنانچہ اس جرم عظیم کا ذکر کرتے بھی وہ شرماتے نہ تھے بلکہ کہا کرتے: ﴿إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ﴾ (النساء:۱۵۷) "ہم نے مسیح عیسی ابن مریم، رسول اللہ کو قتل کر ڈالا، حالانکہ انھوں نے آپ کو قتل نہیں کیا اور نہ ہی سولی چڑھایا بلکہ انھیں شبہے میں ڈال دیا گیا"۔ عیسی علیہ السلام کی دشمنی، آپ کے کفر اور آپ کو پھانسی دلوانے کی کوشش کے جرم کی سزا کچھ عرصے بعد ہی یہود کو ملنے کی تیاری ہونے لگی جس کی ابتدا کے طور پر رومی حکمرانوں اور یہودیوں میں ان بن شروع ہوگئی۔ یہاں تک کہ آپ علیہ السلام کے رفع سماوی کے تقریباً ۳۳ سال بعد یہودیوں نے کھلی بغاوت کر دی اگرچہ وہ بغاوت فرو کر دی گئی لیکن رومی سلطنت نے یہود کو سزا دینے کی ٹھانی جس کے لیے ۷۰ عیسوی میں جنرل ٹائٹس رومی کو فوجی کارروائی کی غرض سے بھیجا گیا۔ جس نے یروشلم پر قبضہ اور قتل عام برپا کیا۔ اس موقعے پر تقریباً ایک لاکھ ۳۳ ہزار آدمی مارے گئے، تقریباً ستر ہزار آدمی گرفتار کر کے روم لے جائے گئے جہاں انھیں غلام بنایا گیا۔ بیت المقدس کو تباہ و برباد کیا گیا۔ سلیمان علیہ السلام کی بنائی ہوئی مسجد جسے ہیکل سلیمانی کہا جاتا تھا وہ گرا دی گئی۔ یہاں سے رومی غلامی کا ایک طویل دور شروع ہوتا ہے جس میں یہود پر بہت سختی کی گئی اور وہ اپنے جرائم کی سزا بھگتے رہے۔

جہاں تک اہل کتاب کے دوسرے گروہ عیسائیوں کی بات ہے تو جیسا عرض کیا گیا کہ حضرت عیسی علیہ السلام پر ایمان لانے کی پاداش میں ان پر بہت ظلم و ستم کیے گئے۔ یہ سلسلہ آپ علیہ السلام کے رفع آسمانی کے بعد بھی جاری رہا۔

البتہ آپ علیہ السلام کے حواریوں (شاگردانِ خاص) نے ظلم وستم کے باوجود عیسایئت کی تبلیغ جاری رکھی۔ لیکن ان داعیان مسیحیت میں جس شخصیت نے بہت زیادہ کامیابی حاصل کی وہ سینٹ پال کی تھی جسے پولس اور شاوول بھی کہا جاتا ہے۔ یہ حضرت عیسی علیہ السلام کی زندگی ہی میں، ایک یہودی خاندان میں پیدا ہوا، اور یہودیت کا عالِم بنا۔ اس نے بیت المقدس کا سفر بھی کیا لیکن مائیکل ہارٹ کے مطابق سیدنا عیسی علیہ السلام کے ساتھ اس کی ملاقات نہیں ہوئی اور اگر ہوتی بھی تو اس وقت سینٹ پال یہودیت کا داعی اور عیسایئت کا دشمن تھا۔ چنانچہ یہ عیسائیوں پر ظلم وستم کرنے والوں میں شامل تھا۔ حضرت عیسی علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد تک وہ اسی ظالمانہ روش پر قائم رہا یہاں تک کہ ایک موقعے پر اس نے دعوی کیا کہ کشفی طور پر عیسی علیہ السلام سے اس کا مکالمہ ہوا ہے اور انھوں نے عیسایت کی دشمنی ترک کرکے اسے عیسایئت قبول کرنے کی تلقین کی ہے۔ چنانچہ اس نے عیسایت اختیار کرکے دعوت کا کام شروع کیا اور غیر بنی اسرائیل تک دعوت عیسایئت کو پھیلا دیا۔ اس نے یونان اور روم تک سفر کیے اور لوگوں کو دعوت دی۔ اس نے بہت سی تحریریں لکھیں اور عہد نامۂ جدید کا کافی حصہ اس کا مرتب کردہ ہے۔ اس کے ساتھ اس نے عیسائی عقائد و نظریات میں غیر معمولی اضافے کیے اس نے، سب سے پہلے حضرت عیسی کو اللہ کا بیٹا قرار دیا اور پھر کفارے کا عقیدہ ایجاد کیا اور شریعت موسوی اور عہد نامۂ قدیم کے احکام کو منسوخ قرار دیتے ہوئے کہا کہ ان احکام پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے اور نجات کے لیے (معاذ اللہ) اللہ کے بیٹے پر ایمان لانا کافی ہے اور اگر کوئی گناہ ہو بھی گیا ہو تو اس کی سزا کسی عیسائی کو نہیں ملے گی کیوں کہ، اللہ کے بیٹے نے سولی چڑھ کر اپنی امت کے گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا۔ پال کی عیسایئت کو غیر بنی اسرائیل میں بہت فروغ ملا۔ اگرچہ ابتدائی طور پر دوسرے عیسائی عالموں نے پال کی مخالفت کی لیکن آہستہ آہستہ عیسائیت پال کے نظریات کو اختیار کرتی گئی یہاں تک کہ بعد والے اکثر علمائے نصاری اس کے نظریات کو اختیار کرتے چلے گئے۔ پال کا انتقال ستر عیسوی سے پہلے ہی ہو گیا تھا لیکن اس کے شاگردوں کی تبلیغ جاری رہی۔ ستر عیسوی میں یہودیوں کے زوال سے، عیسائیوں نے ایک گونہ سکون محسوس کیا کہ لیکن سلطنت روم میں عیسائیت اب بھی ایک " دینِ ممنوع " کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس کے معتقدین اور مبلغین کو کڑی سزائیں دی جاتی تھیں لیکن بہر حال عیسائی مبلغین " کبھو صحرا کبھو پربت " کے مصداق اپنے مذہب کی ترویج میں لگے رہے۔ چوتھی صدی

کے شروع میں، شہنشاہ قُستَنطِین نے ایک شاہی فرمان کی رو سے عیسائیوں کو اختیار و تبلیغ مذہب کی آزادی دے دی۔ اس کے بعد عیسائیت کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی نصیب ہوئی اور اسی صدی کے آخر میں شہنشاہ تھیوڈوسی ایس نے عیسائیت اختیار کر لی جس سے پوری ریاست عیسائی ہو گئی اور عیسائیت ریاست روم کا سرکاری مذہب قرار پائی۔ تاہم یہ حضرت عیسی علیہ السلام والی عیسایئت نہیں تھی بلکہ سینٹ پال کی تحریف شدہ عیسائیت تھی۔ یعنی روم اور یورپ سچی آسمانی عیسائیت سے کبھی متعارف ہی نہیں ہوئے!!

بہرحال اب عیسائیوں کے سکھ کے سال تھے۔ سلطنت روم کی سرپرستی میں عیسایئت مضبوط ہو کر یہودیوں سے، خود پہ روا رکھے گئے ظلم و ستم کا بدلہ لینے کے لیے تیار تھی۔ آیت مبارکہ: ﴿وَيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ﴾ (الانعام:٦٥) "اور چکھا دے ایک کو دوسرے کی جنگی قوت کا مزہ" کا اصول روبہ عمل آیا۔ چنانچہ عیسائی ریاست نے یہودیوں سے خوب خوب بدلے لیے۔ ہر طرح کا ظلم و ستم ان پہ روا رکھا گیا اور انھیں خوب ذلیل کیا گیا۔ اس طرح یہود کو آئندہ طویل عرصے تک اپنے جرائم کی سزا ملتی رہی: ﴿وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِنَ اللهِ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ﴾ (البقرہ:٦١) "ان پر تھوپ دی گئی ذلت و مسکنت اور وہ اللہ کے غضب کے حقدار ہوئے بسبب اس کے کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے"۔ یہ وہ دور تھا جو فترۃ وحی کا عرصہ کہلاتا ہے۔ دنیا میں کہیں کوئی اللہ کا نبی موجود نہ تھا۔ بنی اسرائیل کے دونوں گروہ بحیثیت مجموعی اپنی نبیوں کی تعلیمات کو فراموش کر کے ایک دوسرے کی دشمنی پر آمادہ تھے۔ دوسری طرف روم کی عیسائی ریاست اور فارس کی مشرک سلطنت کی باہمی آویزش بھی اس دور میں گاہے بہ گاہے جاری رہتی تھی۔ اس دور کا خاتمہ ساتویں صدی عیسویں کے شروع میں، نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کے اعلان نبوت سے ہوتا ہے۔

(جاری ہے)

آدابِ قربانی

انتخاب از کتاب: عشرۂ ذوالحجہ اور عید الاضحیٰ: فضائل و مسائل، مؤلف: مفتی اویس پاشا قرنی

کسی بھی عمل کو بدرجۂ احسن ادا کرنے کے لیے اس کے آداب کو ملحوظ رکھنا لازمی ہے۔ ہمارے اسلاف کا بھی یہ ہی طرز تھا کہ وہ اپنے ہر عمل کو اس کے آداب بجالا کر مزین کیا کرتے تھے۔ قربانی بھی ایک عظیم عبادت ہے اور جو شخص بھی اسے سرانجام دے رہا ہو اسے چاہیے کہ اس کے تمام آداب کو ملحوظِ خاطر رکھے تاکہ اللہ کے یہاں مکمل اجر پاسکے۔

سب سے پہلے دل میں قربانی کی نیت کر لینی چاہیے۔ زبان سے کچھ کہنا لازمی تو نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص یکسوئی کی خاطر کچھ کلمات بھی ادا کر لے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ ذبیحے پر بِسْمِ اللهِ اللهُ أَكْبَرُ زبان سے پڑھنا لازمی ہے، اس کے بغیر جانور حلال نہ ہوگا۔ جانور کو ذبح کرنے کے وقت قبلہ رو لٹانا بھی قربانی کے آداب میں شامل ہے۔ جانور کو لٹانے کے بعد یہ دعا پڑھنا مسنون ہے: ((إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ* قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ* لَا شَرِيكَ لَه وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ* اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَأُمَّتِه))(سنن ابن ماجه، كتاب الأضاحي، باب أضاحي رسول الله ﷺ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ) ”میں اس ذات کے لیے یکسو ہوتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں، بلاشبہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ ہی کے لیے ہے جو کہ تمام جہانوں کا پالنے والا ہے، اے اللہ (یہ توفیقِ قربانی) تیری طرف سے ہے اور (یہ قربانی) تیرے ہی لیے ہے اور (یہ قربانی) محمد ﷺ اور آپ کی امت کی طرف سے ہے“۔ پھر ”بسم اللہِ اللهُ أكبر“ کہہ کر ذبح کریں، اور ذبح کرنے کے بعد اگر یہ دعا یاد ہو تو پڑھ لیں: اللّٰهُمَّ تَقَبَّلْهُ مِنِّي كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِيْبِكَ مُحَمَّدٍ وَ خَلِيْلِكَ إِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ(فتاویٰ محمودیہ، باب في مستحبات الأضحية و آدابها) ”اے اللہ تو مجھ سے بھی یہ قربانی اسی طرح قبول کر لے جس طرح تو نے اسے اپنے حبیب محمد ﷺ اور اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام سے قبول فرمالیا تھا“۔ اگر ذبح

کرنے والا کسی اور کا جانور ذبح کرے تو 'مِنِّي 'کی بجائے 'مِنْ' کے بعد جس کی قربانی ہے اُس کا نام لے، اگر گائے ہے تو مناسب یہ ہے کہ تمام حصے داروں کے نام لے۔

جانور کو کچھ دن پالنا بھی افضل ہے۔ مزید برآں چونکہ نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ذبح کرنے میں بھی احسان کا حکم دیا ہے، اسی لیے چاہیے کہ ذبح کرنے سے قبل چھری خوب تیز کر لی جائے اور ایک جانور کو دوسرے کے سامنے نہ ذبح کیا جائے۔ اسی طرح ذبح کرنے کے بعد جانور کو ٹھنڈا ہونے دیا جائے اور جب پوری جان نکل جائے تب کھال اتاری جائے۔ اپنی قربانی کو خود ذبح کرنا اولی ہے لیکن اگر ایسا ممکن نہ ہو تو کم از کم اس وقت وہاں حاضر رہنا چاہیے۔

گوشت کی تقسیم

ویسے تو یہ بات جائز ہے کہ ایک شخص پورا کا پورا گوشت ذخیرہ کر لے۔ لیکن مستحب یہ ہے کہ گوشت کے تین حصے بنا لیے جائیں، ایک اپنے استعمال کے لیے، ایک رشتے داروں کے لیے اور ایک فقرا و مساکین کے لیے۔ البتہ اس کے بر خلاف بھی تقسیم جائز ہے۔

کھال کے احکام

جاننا چاہیے کہ جانور کے تمام اعضا و اجزا کے مصارف طے ہیں۔ یہاں تک کے وہ شے جس کو نمائش و آرائش کی خاطر جانور پر تانا گیا ہو اسے بھی فروخت کر کے اس کی قیمت استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ فقہا نے تو یہاں تک صراحت فرمائی کہ جانور کی رسی بھی فروخت کرنا یا اجرت پر دینا جائز نہیں ہے۔ بعینہ یہ حکم کھال کا بھی ہے۔ اسے خود استعمال میں لانا یا صدقے میں دے دینا یا کسی کو تحفتاً دے دینا تو جائز ہے لیکن اسے فروخت کر کے اس کی قیمت استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح قصائی کو اجرت پر کھال دے دینا بھی ناجائز ہے۔ اگر ایسی غلطی کر دی تو کھال کی قیمت صدقہ کرنا لازم ہوگی۔ ایک بات یہ بھی واضح رہنی چاہیے کہ کھال کو مسجد مدرسے وغیرہ کی تعمیر میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ کھال کی قیمت کو بھی زکوۃ کی مانند فقرا کی ملکیت میں دینا شرط ہے۔ ہاں کسی مدرسے کے طلبہ اگر مستحق زکوۃ ہوں تو ان کے کھانے پینے اور لباس وغیرہ میں کھال کی قیمت کو استعمال کرنا درست ہے۔ اس بات کا اہتمام کرنا چاہیے کہ کھال ایسی جگہ دی جائے جہاں مستند علمائے کرام کی نگرانی میں کام ہوتا ہو تاکہ اس عظیم عبادت میں کوئی نقص نہ آنے پائے۔

نعتِ رسول مقبول ﷺ

احمد ندیم قاسمی

کچھ نہیں مانگتا شاہوں سے یہ شیدا تیرا
اس کی دولت ہے فقط نقشِ کفِ پا تیرا

تہ بہ تہ تیرگیاں ذہن پہ جب لوٹتی ہیں
نور ہو جاتا ہے کچھ اور ہویدا تیرا

پورے قد سے میں کھڑا ہوں تو یہ ہے تیرا کرم
مجھ کو جھکنے نہیں دیتا ہے سہارا تیرا

دستگیری میری تنہائی کی تو نے ہی تو کی
میں تو مر جاتا اگر ساتھ نہ ہوتا تیرا

لوگ کہتے ہیں سایہ تیرے پیکر کا نہ تھا
میں تو کہتا ہوں جہاں بھر پہ ہے سایہ تیرا

تو بشر بھی ہے مگر فخرِ بشر بھی تو ہے
مجھ کو تو یاد ہے بس اتنا سراپا تیرا

وہ اندھیروں سے بھی درّانہ گزر جاتے ہیں
جن کے ماتھے میں چمکتا ہے ستارا تیرا

شرق اور غرب میں نکھرے ہوئے گلزاروں کو
نکہتیں بانٹتا ہے آج بھی صحرا تیرا

اب بھی ظلمات فروشوں کو گلہ ہے تجھ سے
رات باقی تھی کہ سورج نکل آیا تیرا

تجھ سے پہلے کا جو ماضی تھا ہزاروں کا سہی
اب جو تا حشر کا فردا ہے وہ تنہا تیرا

ایک بار اور بھی بطحا سے فلسطین میں آ
راستہ دیکھتی ہے مسجدِ اقصیٰ تیرا

*****